ہسپتال میں ....

طبیب اور مریض کے ساتھ

دکتور محمد عبد الرحمن العریفی

ہسپتال میں ....

طبیب اور مریض کے ساتھ

سعُودی عرَب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارلسلام انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091

• نیو بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایم ایس براک انٹرپرائز فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • دار الکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئرمال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 00 4 32 24,372 400 24,372 240 34,372 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادرآباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092

info@darussalampk.com | www.darussalampk.com

ⓒ مكتبة دار السلام، ١٤٣٣ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

العريفي، محمد عبدالرحمن

عاشق في غرفة العمليات. / محمد عبدالرحمن العريفي - الرياض، ١٤٣٣ هـ

ص: ١٢٠ مقاس: ١٤×٢١ سم

ردمك: ٤-١٠١-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

(اللغة الاردية)

١. الوعظ والارشاد أ. العنوان

ديوي ٢١٣ ١٤٣٣/٣٥٨٨

رقم الإيداع: ١٤٣٣/٣٥٨٨

ردمك: ٤-١٠١-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

ہسپتال میں....

طبیب اور مریض کے ساتھ

اہلِ ایمان آلام و مصائب پر صبر کیسے کیا کرتے تھے

مریض، طبیب اور علاج معالجہ سے متعلق دینی احکامات

دکتور محمد عبد الرحمٰن العریفی

ترجمہ: حافظ قمر حسن

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

عرض ناشر

ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن عریفی ایک مخلص داعی الی اللہ ہیں۔ اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ تحریر و تقریر پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل فرمایا۔ وہ سعودی عرب میں پیدا ہوئے۔ ان کا نسبی تعلق سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خانوادے بنومخزوم سے ہے جو قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے۔ انھوں نے امام عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ، ڈاکٹر عبداللہ الجبرین، الشیخ عبداللہ قعود اور الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر البراک جیسے اجل علمائے دین سے قرآن اور حدیث کے علوم پڑھے۔ سعودی جامعات سے ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ یوں وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ وہ جید عالم ہیں۔ کلام الٰہی کے حافظ اور نہایت خوش لحن قاری ہیں۔ ادیب ہیں۔ خطیب ہیں۔ زمانے اور زندگی کی رفتار، رویوں اور رجحانات کے مبصر ہیں۔ دُکھی لوگوں کا درد ٹٹولتے ہیں۔ ان کے مسائل معلوم کرتے ہیں اور قرآن و سنت کی روشنی میں ہر مسئلے کا حل، ہر پریشانی کا علاج اور ہر درد کی دوا پیش کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی زیر نظر کتاب پچیس داستانوں پر مشتمل ہے۔ یہ بڑے پکے اور سچے حقائق کی آئینہ دار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعات سناتے سناتے قرآن کریم

کی آیتوں اور حدیثوں کے برمحل حوالے دیے ہیں۔ یوں انھوں نے قاری کے ایمان کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ ''سویڈن سے'' ...... کے زیرِ عنوان پہلے ہی واقعہ میں انھوں نے بڑا اہم سبق دیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ یورپ میں لا علاج مریضوں کو ایسی Pain Killer دوا دی جاتی ہے جس میں زہر ہوتا ہے اور یہ زہر مریض کی اکھڑی ہوئی ناہموار زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ انھوں نے مریضوں کو اس قسم کی زہریلی دوا سے دور رکھنے کی نصیحت کی ہے اور بتایا ہے کہ بیماری درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوید رحمت ہے۔ بیماری سے مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور مریض کی عاجزی اور تسبیح و تہلیل قبول فرما کر اللہ تعالیٰ اُسے جنت عطا کرنے کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

''جزا کی حلاوت'' کے زیرعنوان ایک عالم دین ابو قلابہ کا رونگٹے کھڑے کر دینے والا واقعہ سنایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ہمارے اسلافِ کرام ایمان اور استقامت کے کوہِ گراں تھے۔ ابو قلابہ کے عزیز و اقارب فوت ہوگئے۔ عام لوگ ان کی بیماری سے خائف تھے۔ کوئی ان کے قریب نہیں پھٹکتا تھا۔ انھیں بستی سے نکال کر صحرا کے ایک خیمے میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ نابینا تھے۔ دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے۔ شدید بیمار تھے۔ ریگزار پر پڑے رہتے۔ اتنی بے بسی، پسپائی اور تنہائی کے عالم میں بھی ان کی زبان اپنے رب کے ذکر سے تر رہتی تھی۔ ان کا ایک کم سن بیٹا تھا۔ یہی وہ واحد فرد تھا جو اُن کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرتا تھا۔ ایک دن صحرائی ٹیلے پر اسے درندوں نے پھاڑ کھایا۔ زندگی کے آخری سہارے اور جان و دل سے عزیز بیٹے کے بارے میں یہ لرزہ خیز خبر سن کر بھی ابو قلابہ کے صبر جمیل میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ انھوں نے کلمہ طیبہ

پڑھ کر آخری ہچکی لی اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

کتاب کے باقی واقعات بھی ایسے ہی روشن اسباق اور ایمان افروز نصیحتوں سے مزین ہیں۔ یہ کتاب ہر فرد کو پڑھنی چاہیے۔ محترم خواتین اور معالجین کے لیے اس میں رہنمائی کے بڑے اہم سبق چمک رہے ہیں۔ بالخصوص مایوس، نیم جان اور شکستہ دل مریضوں کے لیے یہ کتاب اُمید، آرام، مغفرت اور جنت کی بشارت ہے۔

اردو میں اس کتاب کا ترجمہ جناب حافظ قمر حسن نے کیا ہے۔ ترجمہ بڑا دلکش اور پاکیزہ ہے۔ حسب معمول یہ کتاب بھی دارالسلام لاہور کے مدیر عزیزی حافظ عبدالعظیم اسد کی نگرانی میں تیار ہوئی ہے۔ پروف خوانی شعبۂ فقہ و متفرقات کے انچارج حافظ محمد ندیم اور مولانا عبدالرحمٰن نے کی ہے۔ اس کے فنی مراحل ڈیزائننگ میں آرٹ ڈائریکٹر زاہد سلیم چوہدری اور معاونین محمد نعیم اور ہارون الرشید نے اسے خوب سے خوب تر بنانے میں بھر پور محنت کی ہے۔ ابو مصعب اور ان کے رفقائے کار نے کمپوزنگ کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مینجنگ ڈائریکٹر دارالسلام الریاض، لاہور

اگست 2010ء

سویڈن سے

ایک روز میرے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی......سویڈن سے فون تھا۔

''السلام علیکم......کیا مولانا محمد ہیں؟''

''وعلیکم السلام...... جی ہاں۔ بول رہا ہوں۔''

''مولانا! میں ایک ڈاکٹر ہوں اور سویڈن کے شہر مالمو میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ یہاں میں پانچ سال سے ایک ہسپتال میں پریکٹس کر رہا ہوں۔ ہسپتال میں جب بھی کوئی لا علاج مریض آتا ہے، ڈاکٹر اسے خوراک کی بوتل لگا دیتے ہیں، جس میں مبینہ طور پر دوائے درد (Pain killer) کے ساتھ ساتھ زہرِ ہلاہل (Poison) بھی شامل ہوتا ہے۔ مریض زیادہ سے زیادہ دو یا تین دن زندہ رہ کر وفات پا جاتا ہے۔ ورثا اسے لے جاتے اور یہی سمجھتے ہیں کہ وہ طبعی موت مرا ہے جبکہ درحقیقت اسے قتل کیا گیا ہوتا ہے۔ آج جب میں ایمرجنسی وارڈ میں تھا، ہسپتال میں ایک مسلمان مریض آیا جو دراصل پاکستانی تھا۔ وہ بھی ایک خطرناک اور لا علاج مرض میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹروں نے ابھی ابھی اسے لا علاج مریضوں کے وارڈ میں داخل کر کے زہر لگا دیا ہے۔

مولانا! اب مجھ پر کیا لازم ہے؟ کیا میں مریض کے لواحقین کو بتا دوں؟''

وہ مجھے فرداً فرداً ان مریضوں کے متعلق بتانے اور ان کی داستانِ غم سنانے لگا جو اس طریقے سے قتل کیے گئے تھے۔ وہ بڑا جذباتی اور پرجوش تھا۔ اس نے کئی واقعات بیان کیے۔ ادھر مجھے میری سوچیں بہت دور لے گئیں۔ میں غور کرنے لگا کہ ان لوگوں کے نزدیک زندگی کے کیا معنی ہیں۔ خوبصورت عورت اور بستر۔ اور جب آدمی بیماری کی وجہ سے دادِ عیش دینے کے قابل نہیں رہتا تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اب اسے زندہ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بات بھی درست ہے کہ وہ کیوں زندہ رہے۔ ہاں وہ کیوں زندہ رہے؟

دراصل وہ نہیں جانتے کہ مریض کی زندگی، اگرچہ وہ صاحب فراش ہی ہو، کتنی قیمتی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بیماری کی وجہ سے اس کے درجات بلند کرتا ہے۔ ہر تسبیح (سُبْحَانَ اللهِ) صدقہ ہے ۔ ہر تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) صدقہ ہے۔ ہر تہلیل (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) صدقہ ہے۔ مسلمان کو ہر دکھ درد کا بدلہ دیا جاتا ہے۔ اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو بیماری کے راستے جنت میں داخل ہو گئے۔ آزمائش مومن کے ساتھ رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کے اعمال نامے میں کوئی

گناہ باقی نہیں رہتا۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اگر مصائب و آلام نہ ہوتے تو روز قیامت ہم تو بالکل ہی دیوالیہ ہوکر آتے۔ کوئی نیکی پاس نہ ہوتی۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَّصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حَزَنٍ وَّلَا أَذًى وَّلَا غَمٍّ، حَتَّى الشَّوكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَاللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ»

''مومن کو جو بھی دکھ درد، حزن و ملال، تکلیف اور رنج پہنچتا ہے، یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کی کچھ خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔''[1]

اور فرمایا:

«مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَا لِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ»

''مومن یا مومنہ پر اپنی ذات، اولاد یا مال کے متعلق آزمائش آتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''[2]

امام ترمذی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

«يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يُعْطَى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُودَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيضِ»

''روزِ قیامت جب (دنیا کے) آزمائش میں مبتلا لوگوں کو ثواب دیا جائے گا تو

(دنیا میں آزمائشوں سے) عافیت میں رہنے والے تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں سے کاٹ دی جاتیں (اور انھیں بھی آزمائش کے بدلے اجروثواب ملتا۔)'' [3]

انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ. فَمَنْ رَّضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ»

''آزمائش جتنی کڑی ہو اتنا بڑا اجر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے محبت کرتا ہے انھیں آزمائش میں ڈال دیتا ہے، پھر جو (اللہ تعالیٰ سے) راضی رہتا ہے اس کے لیے (اللہ کی) رضا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے اس کے لیے (اللہ کی) ناراضی ہے۔'' [4]

امام مسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے:

«عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ

صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ»

''مومن کا معاملہ عجیب وغریب ہے! یقیناً اس کا سارے کا سارا معاملہ ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ اور یہ صرف اور صرف مومن کے لیے ہے۔ اگر اسے کوئی خوشی ملتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے۔ پس وہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اور اگر اسے کوئی دکھ پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے، پس وہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔'' [5]

کتاب کی تفصیلات میں جانے سے پیشتر میں دنیا کے ہر مریض کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ اللہ کی تقسیم پر رضا مندی کا اظہار کیجیے۔ شدتِ مرض کے باوجود اگر آپ نے صبر وضبط کا مظاہرہ کیا اور اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھی تو یقین مانیے یہی بیماری آپ کے گناہوں کا کفارہ اور بلندیِ درجات کا باعث بن جائے گی۔

ہم نے اسے صابر پایا

ایوب علیہ السلام بڑے دھن دولت والے، کھاتے پیتے، صاحبِ اہل وعیال تھے۔ اللہ نے آپ کو عزت بخشی اور نبی بنایا تھا، پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ مال و دولت اور اہل عیال سب چھن گئے۔ ایک بیوی ہی پاس رہ گئی۔ آزمائش کی شدت میں اضافہ ہوا اور

ایوب علیہ السلام کو ایک پیچیدہ بیماری نے آلیا۔ آپ نے قوم سے کنارہ کرلیا۔ قوم کو ڈر ہوا کہ ایوب علیہ السلام کا متعدی مرض کہیں انھیں بھی اپنی گرفت میں نہ لے لے۔ انھوں نے آپ کو آبادی سے نکال باہر کیا۔ آپ کھلے صحرا کے ایک خیمے میں اٹھ آئے۔ بیماری نے توڑ کے رکھ دیا تھا۔ بدن پھوڑا پھوڑا ہو چکا تھا۔ بڑی مصیبت درآئی تھی۔ لوگ قریب آنے سے کتراتے تھے۔

آپ کی بیماری کے متعلق مفسر قرآن مجاہد سے دریافت کیا گیا کہ کیا ایوب علیہ السلام کو چیچک تھی۔

فرمایا: ''نہیں۔ وہ تو چیچک سے بھی کہیں زیادہ خطرناک بیماری تھی۔ بدن پر عورت کے پستان جیسے پیپ بھرے پھوڑے نکل آتے تھے، پھر وہ پھٹتے اوران سے پیپ بہنی شروع ہوجاتی تھی۔''

بیماری نے سالہا سال تک پیچھا نہ چھوڑا۔ تاہم ایوب علیہ السلام کا پائے ثبات لغزش سے ناآشنا رہا۔ اسی حالت میں ایک روز آپ کی اہلیہ جو سرھانے بیٹھی تھیں، رونے لگیں۔ پوچھا: کیوں روتی ہو، بھلی مانس؟''

بولیں: ''اپنی عظمت رفتہ یاد آگئی تو میں ضبط نہ کرسکی۔''

بولے: ''اچھا تو تمھیں ہماری عظمت رفتہ یاد آگئی تھی۔ ذرا بتانا تو کہ ہم کتنے برس نازونعمت میں رہے۔''

کہنے لگیں: ''ستر برس۔''

''اورآزمائش پر کتنے سال گزر گئے؟''

بولیں: ''سات سال۔''

اس پر ایوب علیہ السلام نے فرمایا: ''آسودگی میں ستر برس گزارے ہیں، آزمائش کے ستر برس بھی صبر سے گزارو۔ اس کے بعد بے صبری کا مظاہرہ کرنا نہ کرنا تمھارے اختیار میں ہوگا۔''

غرضکہ تقریباً اٹھارہ برس یونہی صاحب فراش رہے۔

ایک روز دو آدمی ادھر سے گزرے۔ انھوں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہا: ''مجھے تو یہی لگتا ہے کہ اللہ نے ایوب کو کسی گناہ ہی کی سزا دی ہے جسے ہم نہیں جانتے۔''

ایوب علیہ السلام نے ان کی یہ بات سنی تو ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ بارگاہِ الٰہی میں بے اختیار عرض گزار ہوئے:

(اے میرے رب!) مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی اس عاجزانہ دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور آپ کو مصیبت سے نجات دی۔ [6]

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی تعریف ان کلمات میں کی:

﴿ إِنَّا وَجَدْنَٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُۥٓ أَوَّابٌ ۝ ﴾

''بلاشبہ ہم نے اسے (ایوب کو) صبر مند پایا، خوب آدمی تھا۔ دراصل وہ برائی سے کنارہ کر کے اچھائی سے بڑی رغبت رکھنے والا تھا۔'' [7]

[1] صحيح البخاري، حديث:5642,5641. [2] جامع الترمذي، حديث: 2399. [3] جامع الترمذي، حديث: 2402. [4] جامع الترمذي، حديث: 2396. [5] صحيح مسلم، حديث: 2999. [6] قصص الأنبياء لابن كثير، ص:281. [7] صٓ 44:38.

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا شمار بڑے تابعین میں ہوتا ہے۔ وہ جلیل القدر صحابی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ایک دفعہ ان کے پیر پر کھجلی نکل آئی۔ پیر کی ہڈی کھائی جانے لگی اور ماس جھڑنے لگا۔ طبیبوں نے دیکھا تو تجویز کیا کہ پیر کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے تاکہ باقی جسم بیماری کے بد اثرات سے محفوظ رہے، چنانچہ انھوں نے آری سے ٹانگ کی ہڈی کاٹنی شروع کی عروہ بن زبیر رحمہ اللہ پر غشی طاری ہوگئی۔ پیر کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا لیکن خون رکنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ طبیبوں نے کٹی ہوئی ٹانگ کو کھولتے تیل میں ڈبو دیا اور خون رک گیا۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کو ہوش آیا تو کٹے ہوئے پیر کو دیکھ کر کہنے لگے: ''اللہ جانتا ہے کہ میں نے تم سے چل کر جانتے بوجھتے کبھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔''

لوگ تیمار داری کے لیے آتے اور صبر کی تلقین کرتے۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر کہتے: ''اے اللہ! میرے چار ہاتھ پیر تھے۔ ایک تو نے لے لیا اور تین کو باقی رکھا۔ تیرا شکر ہے کہ تو نے تین کو لے کر ایک کو نہیں چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر تو نے آزمایا ہے تو بڑی دیر عافیت بھی دیے رکھی ہے۔ اگر تو نے میرا پاؤں لے لیا ہے تو بڑی دیر اسے باقی بھی رکھا ہے۔''

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے سات بیٹے تھے جو ان کی خدمت اور دلجوئی کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا ایک بیٹا کسی کام سے گھوڑوں کے اصطبل میں گیا۔ ایک گھوڑے کے قریب سے جو گزرا تو اس نے بدک کر ایسی لات ماری کہ بیچارے کی جان ہی نکل گئی۔ بیٹے کو غسل دے کر کفنا دیا گیا تو والد عروہ بن زبیر رحمہ اللہ لاٹھی ٹیکتے ہوئے آئے۔ بیٹے کی میت کو دیکھا تو بے اختیار (ہاتھ اٹھا دیے اور کہا) ''اے اللہ! میرے سات بیٹے تھے۔ تو نے ایک لے لیا اور چھ کو باقی رکھا۔ تیرا شکر ہے کہ تو نے چھ کو لے کر ایک کو نہیں چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر تو نے آزمایا ہے تو بڑی دیر عافیت بھی دیے رکھی ہے۔

اور اگر تو نے کچھ لے لیا ہے تو بڑی دیر عطا بھی کیے رکھا ہے۔'' [1]

سبحان اللہ! ایسا صبر بھی اللہ تعالیٰ کسی کسی کو نصیب کرتا ہے۔

آدمی کا پیٹ خراب ہوتو واویلا کرتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ ہاتھ پاؤں، چہرہ اور سر تو سلامت ہیں۔ آنکھ آجاتی ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ زبان اور کان تو ٹھیک ٹھاک ہیں۔

اس لیے اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے آپ کو ایک ہی مرض میں مبتلا کیا ہے اور دسیوں بیماریوں کا گھر نہیں بنایا۔ پاس پڑوس کے مریضوں کو دیکھیے اور اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے آپ کو عافیت دے رکھی ہے۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی بیمار جو زندگی سے مایوس ہو چکا ہو، اس کی دلجوئی کیجیے۔ کوئی غمزدہ ملے تو اسے خوشی کا احساس دلایئے۔ کوئی ستم ہائے روزگار کا شاکی نظر آئے تو اسے سمجھایئے۔

آپ مریض ہوتے ہوئے بھی بڑے اچھے مبلغ ثابت ہوسکتے ہیں، ان شاء اللہ۔

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمة عروة بن الزبیر: 214,212/42، و سیر أعلام النبلاء، ترجمة عروة بن الزبیر: 431,429/4.

بیماری کے دو سبب ہوتے ہیں

میں ایک صاحب کو جانتا ہوں جو حافظ قرآن اور نیک آدمی ہیں۔ بیمار لوگ ان کے پاس آتے ہیں۔ وہ قرآن پڑھ کر دم کر دیتے ہیں اور اللہ ان کے ہاتھوں جسے چاہتا ہے شفا دے دیتا ہے۔

ایک دن ان صاحب کے پاس ایک آدمی آیا جو چہرے مہرے سے خاصا مالدار اور آسودہ حال دکھائی دیتا تھا۔ وہ ان کے سامنے بیٹھا اور بولا:

''مولانا! میرے بائیں ہاتھ میں شدید درد ہے۔ نہ رات کو نیند آتی ہے، نہ دن کو چین ملتا ہے۔ بے شمار ڈاکٹروں کو دکھایا، کئی ٹیسٹ کرائے لیکن بے سود۔ درد ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ زندگی عذاب بن کر رہ گئی ہے۔

یا شیخ! میں کاروباری آدمی ہوں اور کئی کمپنیوں کا مالک ہوں۔ لگتا ہے مجھے کسی کی نظر لگ گئی ہے یا کسی بدبخت نے مجھ پر جادو کرا دیا ہے۔''

وہ صاحب بتاتے ہیں:

''میں نے اس پر سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی، سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھیں لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ چند دنوں بعد دوبارہ اسی درد کی شکایت

لے کر آیا۔ میں نے اس پر قرآن پڑھا۔ وہ چلا گیا۔ چند دنوں بعد سہ بارہ آیا، میں نے پھر قرآن پڑھا لیکن کوئی بہتری نہ آئی۔ درد روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔

میں نے اس سے کہا: ''ہوسکتا ہے آپ کو جو تکلیف پہنچی ہے وہ آپ کے کسی گناہ کی سزا ہو۔ آپ نے کسی کمزور پر ظلم کیا ہو یا کسی کا حق مارا ہو۔ اگر کوئی ایسی بات ہے تو فوراً توبہ کیجیے۔ جس پر ظلم کیا ہے اس سے معافی مانگیے اور جس کا حق مارا ہے جلد از جلد اس کا حق ادا کر دیجیے۔''

اس آدمی نے میری بات کو اہمیت نہ دی اور متکبرانہ انداز میں کہا:

''میں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا، نہ کسی کا حق مارا ہے۔ آپ کے مشورے کا شکریہ۔''

یہ کہہ کر وہ نکل گیا۔ چند دن گزرے۔ وہ آدمی دوبارہ نظر نہیں آیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ اسے میری بات پر غصہ آیا ہے، تاہم پشیمانی نہیں تھی کیونکہ میں نے اس کی خیر خواہی کی تھی۔ ایک دن اچانک سر راہ اس سے ملاقات ہوگئی۔ وہ میری جانب آیا۔ خاصا خوش

نظر آرہا تھا۔ میں نے پوچھا: ''کیا ماجرا ہے؟''

وہ بولا: ''الحمدللہ! اب میرا ہاتھ بغیر کسی علاج اور دوا کے، بالکل ٹھیک ہے۔''

میں نے حیرت سے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

کہنے لگا: ''جب میں آپ کے ہاں سے آیا تو مجھے آپ کی بات میں وزن محسوس ہوا۔ میرا ذہن ماضی کے اوراق پلٹنے لگا۔ مجھے یاد آیا کہ چند سال پیشتر جب میں اپنا محل تعمیر کررہا تھا، محل کے پہلو میں موجود خالی زمین خرید کر اس میں ضم کرنا چاہتا تھا۔ یہ زمین ایک بیوہ کی ملکیت تھی جس کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنی زمین فروخت کردے لیکن اس نے انکار کردیا اور بولی: ''زمین بیچ کر میں کیا کروں گی۔ یہ ان یتیموں کی امانت ہے۔ بڑے ہوں گے تو خود ہی سنبھال لیں گے۔ اب بیچ دی تو ضائع ہی ہونی ہے۔'' میں نے بارہا اسے پیغام بھیجا لیکن وہ ہر بار انکار کرتی رہی۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آخر میں نے اپنے خاص ذرائع سے وہ زمین ہتھیالی۔''

میں نے پوچھا: ''خاص ذرائع سے؟ کیا مطلب؟''

اس نے کہا: ''ہاں، میرے وسیع و عریض تعلقات جنھیں استعمال کر کے میں نے بیوہ کی زمین پر تعمیر کی اجازت حاصل کر لی اور اسے اپنی زمین میں ضم کرلیا۔''

''اور یتیموں کی والدہ کا کیا بنا؟'' میں نے فکرمندی سے استفسار کیا۔

وہ کہنے لگا: ''یتیموں کی ماں نے جب یہ سنا کہ زمین ہتھیالی گئی ہے تو وہ بلا ناغہ آتی، چیختی چلاتی اور تعمیر کا کام کرتے مزدوروں اور معماروں کو روکنے کی کوشش کرتی۔ وہ اسے پاگل سمجھ کر ہنستے اور نظر انداز کر دیتے۔

دراصل وہ نہیں، میں پاگل ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ روتے روتے کبھی دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتی اور مجھے بددعائیں بھی دیتی۔ ظلم کی کہانی مجھے یاد آئی تو میں اس بیوہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ آخر میں نے اسے ڈھونڈ لیا۔ میں اس کے سامنے رویا۔ معافی مانگی اور اس وقت تک گڑگڑاتا رہا جب تک اس نے اپنی زمین کے عوض دوسری زمین لینی قبول نہ کرلی۔ اس نے مجھے معاف کر دیا اور میرے لیے دعا کی۔ واللہ! ابھی اس نے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ مجھے اپنے بدن میں عافیت اترتی محسوس ہوئی۔''

یہ کہہ کر وہ چند ثانیے سر نہوڑائے خاموش رہا، پھر سر اٹھا کر بولا: ''اور اللہ کے حکم سے اس کی دعا نے مجھے فائدہ پہنچایا اور جس درد نے سارے ڈاکٹروں کو عاجز کر دیا تھا، مجھے اس سے نجات ملی۔''

اس عبرت انگیز واقعے کے بیان کرنے سے میرا مقصود یہ نہیں کہ آدمی پر بیماری اس

کے کسی گناہ کی سزا ہی ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں! انبیا بھی تو بیمار پڑ جاتے تھے۔ میرا مطلب تو صرف یہ بتانا ہے کہ بیماری کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ بندے کے دل سے غرور اور خود پسندی کے جذبات نکال دیتا ہے۔ ہمیشہ آسودہ حالی رہے تو آدمی سرکش ہوجاتا اور اپنا آغاز وانجام بھلا بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بیمار کر کے یہ پیغام دیتا ہے کہ اس کے بس میں نہ پہلے کچھ تھا اور نہ اب کچھ ہے۔ زندگی اور موت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک شے کو سمجھنا چاہتا ہے لیکن وہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک شے کو یاد کرنا چاہتا ہے لیکن وہ یاد نہیں آتی۔ انسان چاہتا ہے کہ یوں ہوجائے لیکن وہ 'یوں ہونا' انسان کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ انسان ایک شے کو پسند نہیں کرتا لیکن اسی میں انسان کی زندگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی سمع و بصر یا عقل یا تمام ہی نعمتیں سلب کر لے تو انسان کیا کرسکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بیمار کر دیتا یا کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، تاکہ بندہ ذرا عاجزی اختیار کرے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ بیمار، مسافر، مظلوم اور روزے دار کی دعا رد نہیں کی جاتی تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ یہ لوگ اللہ سے قریب ہوتے ہیں۔ ان کے دل سرنگوں ہوتے ہیں۔ مسافر بیچارہ تھکا ماندہ اور اجنبی دیس میں ہوتا ہے۔ روزے دار بھوکا پیاسا، مظلوم درماندہ و بے بس اور مریض تکلیف کا شکار ہوتا ہے۔

گویا یہ چاروں لوگ کس مپرسی کے عالم میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔

اللہ نے قسمت میں جو لکھ دیا ہے، اس پر راضی ہو جایئے

میں ایک مشہور شہر کے سفر پر تھا۔ وہاں مجھے چند تقریریں کرنی تھیں۔ اس شہر کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہاں نفسیاتی امراض کا ہسپتال تھا جسے عرفِ عام میں 'پاگل خانہ' کہتے ہیں۔ میں صبح سویرے دو تقریریں کر کے نکلا تو ظہر کی اذان میں ابھی ایک گھنٹا باقی تھا۔ ملک کا معروف مبلغ اور داعی عبدالعزیز بھی میرے ہمراہ تھا۔ ہم گاڑی میں سوار تھے۔ میں نے اس سے کہا: ''عبدالعزیز! ہمارے پاس وقت ہے۔ میں یہاں ایک جگہ جانا چاہتا ہوں۔''

''کہاں''؟ اس نے پوچھا۔ ''الشیخ عبداللہ تو ابھی سفر میں ہیں اور دکتور احمد سے میں نے رابطہ کیا تھا لیکن انھوں نے فون نہیں اٹھایا۔ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ یہاں ایک قدیم کتب خانہ ہے۔''

میں نے کہا: ''نہیں، میں ذہنی امراض کے ہسپتال جانا چاہتا ہوں۔''

وہ بولا: ''پاگل خانے؟''

میں نے کہا: ''ہاں، پاگل خانے۔''

وہ ہنسا اور مزاحیہ انداز میں کہنے لگا: ''کیوں؟ دماغ کا چیک اپ کرانا ہے؟''

اس کے طنزیہ انداز پر میں بھی مسکرا دیا۔ لیکن پھر سنجیدہ ہو کر بولا: ''نہیں۔ ہم عبرت حاصل کریں گے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے۔''

عبدالعزیز خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر غم کا سایہ لہرایا۔ وہ معمول سے زیادہ جذباتی مزاج کا مالک تھا۔ اس نے گاڑی ذہنی امراض کے ہسپتال والی سڑک پر ڈال دی۔ ہم وہاں پہنچے تو سامنے ایک افسردہ عمارت کھڑی تھی جسے درختوں نے گھیر رکھا تھا۔ ہم ڈاکٹر صاحب سے ملے۔ انھوں نے ہمیں خوش آمدید کہا اور ہسپتال کا دورہ کرانے لے گئے۔ وہ ہمیں ایک برآمدے میں لے گئے جس کے دونوں اطراف کمرے تھے۔

وہاں ہمیں عجیب و غریب آوازیں سنائی دیں۔ میں نے دائیں طرف کے ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا تو نو بیڈ خالی تھے اور ایک پر ایک آدمی اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ پاگل ہے۔ ہر پانچ چھ گھنٹے بعد اسے مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ میں نے لاحول پڑھا اور پوچھا: ''یہ شخص کب سے اس حال میں ہے؟''

انھوں نے کہا: ''دس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔''

چند قدم آگے ایک کمرے کا دروازہ بند تھا۔ دروازے میں سوراخ تھا جس سے ایک آدمی باہر جھانک رہا تھا۔ وہ عجیب وغریب سمجھ میں نہ آنے والے اشارے کر رہا تھا۔ میں نے کمرے کے اندر دیکھنے کی کوشش کی۔ کمرے کا فرش اور دیواریں گہرے نسواری رنگ کی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھنے پر بتایا کہ یہ بھی پاگل ہے۔

میں نے کہا: ''یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ یہ پاگل ہے۔ عقل مند ہوتا تو ہم اسے یہاں نہ دیکھتے لیکن اس کا ماجرا کیا ہے؟''

اس پر ڈاکٹر صاحب کہنے لگے: ''اس آدمی کو دیوار نظر آتی ہے تو مشتعل ہو جاتا ہے۔ ہاتھوں سے، پاؤں سے اور کبھی سر سے دیوار کو مارتا رہتا ہے۔ کبھی انگلیاں تڑوائے بیٹھا ہوتا ہے کبھی ٹانگیں۔ اور کبھی سر زخمی ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب نے افسردگی سے کہا: ''ہم اس کا علاج نہیں کر سکے۔ اس کمرے میں بند کر رکھا ہے۔ دیواروں اور فرش پر فوم لگا دی گئی ہے تاکہ وہ جیسے چاہے بھڑاس نکالتا رہے۔''

یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب آگے چل دیے۔ میں اور عبدالعزیز وہاں کھڑے دعا پڑھنے لگے جو اللہ کے رسول ﷺ نے اس موقع کے لیے سکھائی ہے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلٰى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا»

''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بیماری سے عافیت میں رکھا جس میں تمھیں مبتلا کیا اور یوں اس نے مجھے اپنی بیشتر مخلوق پر ایک فضیلت عطا کی۔''[1]

پھر ہم بھی اگلے کمروں کی جانب بڑھ گئے۔ ایک کمرے میں کوئی بیڈ نہیں تھا۔ یہاں تقریباً تیس آدمی تھے۔ ہر ایک اپنے حال میں مست تھا۔ کوئی ناچ رہا تھا، کوئی گا رہا تھا اور کوئی اذان دینے میں مصروف تھا۔ تین آدمیوں کو کرسیوں پر بٹھا کر ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو رسیوں کی گرفت سے آزاد کرنے کے لیے بے تحاشا زور لگا رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بتانے لگے کہ یہ تینوں افراد سامنے کی ہر شے پر حملہ کر دیتے ہیں۔ کھڑکیاں توڑ دیتے ہیں، دروازے اکھاڑ دیتے ہیں، برقی آلات خراب

کر دیتے ہیں، اس لیے ہم صبح سے شام تک انھیں اسی طرح باندھے رکھتے ہیں۔

میں نے پوچھا: ''یہ لوگ کب سے اسی حال میں ہیں؟''

ڈاکٹر صاحب ان تینوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے: ''یہ آدمی دس سال سے، یہ سات سال سے اور یہ نیا ہے، اسے پانچ سال ہوئے ہیں۔''

میں ان کی حالت پر افسوس کرتا اور اللہ کی نعمت پر شکر کرتا کمرے سے باہر آ گیا۔

میں نے ڈاکٹر صاحب سے گزارش کی: ''اب ہمیں باہر کا رستہ دکھایئے۔''

وہ کہنے لگے: ''ایک کمرہ رہ گیا ہے۔ آیئے۔''

وہ مجھے ایک بڑے کمرے کی جانب لے گئے۔ دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔ مجھے توقع تھی کہ پہلے جیسے کسی ناچتے گاتے یا اودھم مچاتے مریض سے سابقہ پڑے گا۔ لیکن یہاں تو منظر ہی اور تھا۔ ایک آدمی جس کی عمر پچاس سے اوپر اور سر کے بالوں میں سفیدی نمایاں تھی، زمین پر سمٹ کر بیٹھا تھا لیکن اہم بات یہ تھی کہ وہ الف ننگا تھا۔ اس کے جسم پر کپڑے کی ایک دھجی بھی نہیں تھی۔ میں نے حیرت سے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ کہنے لگے: ''اس شخص کو ہم نے جب بھی کپڑے پہنائے، اس نے کپڑے دانتوں سے پھاڑ کر نگلنے کی کوشش کی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ہم نے اسے ایک دن میں دس بار کپڑے پہنائے اور اس نے ہر بار کپڑوں کا یہی حشر کیا۔ یہ آدمی اپنے جسم پر ایک چیتھڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم نے تنگ آ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ اب سردی ہو یا گرمی، یہ بے لباس ہی رہتا ہے۔''

میں کمرے سے نکل آیا۔ اب میری ہمت جواب دے رہی تھی۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا: ''اب ہمیں اجازت دیجیے۔''

وہ بولے: ''ابھی چند شعبے باقی ہیں۔''

میں نے کہا: ''جتنا دیکھ لیا کافی ہے۔''

ہم خاموشی سے ہسپتال کے بیرونی دروازے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ڈاکٹر صاحب کو جیسے کچھ یاد آ گیا تو وہ بولے:

''مولانا! یہاں ہمارے پاس ایک بڑا تاجر بھی ہے جو کھربوں کا مالک ہے۔ دو سال ہوئے ہیں، اس کی عقل میں ذرا خلل آ گیا تو اس کے لڑکے اسے یہاں چھوڑ گئے۔''

''ایک اور ہے جو انجینئر تھا۔''

''ایک اور جو............''

ڈاکٹر صاحب ایک ایک کر کے ان افراد کا تذکرہ کرنے لگے جو عزوشرف کی بلندیوں پر پہنچنے کے بعد ذلت کے گہرے گڑھوں میں جا گرے۔ کچھ دوسرے جو دولت مندی کے بعد فقر کی زندگی گزار رہے ہیں۔

میں سوچنے لگا: ''پاک ہے وہ ذات جس نے بندوں میں رزق تقسیم کیا تو جسے چاہا دیا اور جسے چاہا محروم رکھا۔ اللہ تعالیٰ آدمی کو مال و دولت، حسب ونسب اور منصبِ رفیع سے نوازتا ہے لیکن عقل چھین کر اسے پاگل خانے پہنچا دیتا ہے۔ دوسرے کو مال و دولت اور حسب ونسب کے ساتھ عقل مندی عطا کرتا ہے لیکن صحت سے محروم کر دیتا ہے۔ اور مال و دولت کی فراوانی کے باوجود وہ بیس تیس سال اور کبھی تمام عمر بستر پر گزارتا ہے۔ کسی کو صحت، قوت اور عقل دیتا ہے تو مال سے محروم کر دیتا ہے، اس لیے ہر اس آدمی کے لیے جسے اللہ نے کسی نہ کسی آزمائش میں ڈالا ہے، ضروری ہے کہ وہ مصائب شمار کرنے سے پہلے اللہ کی نعمتوں کو حساب میں لائے۔ اگر اللہ نے مال سے محروم رکھا ہے تو صحت دی ہوگی۔ صحت نہیں دی تو عقل سے نوازا ہوگا۔

عقل بھی کم دی ہے تو مسلمان تو بنایا ہی ہے۔ اسلام کی نعمت بھی کوئی چھوٹی نعمت نہیں۔ اس شخص کی زندگی مبارک ہے جو اسلام پر جیے اور اسلام ہی پر مرے، اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ الحمدللہ۔

[1] جامع الترمذي، حديث:3431، وسنن ابن ماجه، حديث:3892.

جزا کی حلاوت

میں صحرا کے سفر پر تھا کہ راستہ بھول گیا۔ دیر تلک بھٹکا کیا۔ آخر ایک بوسیدہ سا خیمہ نظر آیا۔ سوچا دیکھتا ہوں شاید کوئی راستے کا پتا بتا دے۔ خیمے میں جھانکا۔ ایک اندھا بوڑھا آدمی، ہاتھ کٹے ہوئے، بڑے اطمینان سے ننگی زمین پر بیٹھا تھا۔ خیمے میں اور کوئی نہیں تھا۔ بوڑھے کے لب حرکت میں تھے۔ قریب جا کر جو سنا تو بار بار کہہ رہا تھا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي فَضَّلَنِي عَلٰى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا»

''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنی بیشتر مخلوق پر ایک فضیلت عطا کی ہے۔''

مجھے بڑا تعجب ہوا۔ حیران تھا کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی وہ بار بار یہی کہہ رہا اور اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ میری آہٹ پا کر اندھے بوڑھے نے فوراً پوچھا:

''کون ہے؟ کون ہے؟''

میں نے سلام کہا اور بتایا کہ مسافر ہوں، راستہ بھول چکا ہوں۔ تمھارا خیمہ دیکھا تو ٹھہر گیا کہ شاید راستے کا پتا مل جائے۔ لیکن تم کون ہو اور یہاں اکیلے کیوں رہتے ہو۔ تمھارے گھر والے کہاں ہیں؟

کہنے لگا: ''میں بیمار ہوں۔ لوگوں نے مجھ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے۔ خاندان کے زیادہ تر افراد وفات پا چکے ہیں۔''

میں نے پوچھا: ''تم بار بار اللہ کا شکر کیوں ادا کر رہے ہو کہ اس نے تمھیں اپنی بیشتر مخلوق پر ایک فضیلت عطا کی ہے؟ تمھارے پاس ہے کیا؟ کس بات کی فضیلت حاصل ہے تمھیں؟ اندھے ہو، نادار ہو، ہاتھ کٹے ہوئے ہیں، تن تنہا صحرا میں پڑے ہو۔''

بولا: ''میں تمھیں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔ لیکن پہلے تم میرا ایک کام کرو گے؟''

میں نے کہا: ''اچھا، پہلے بتاؤ پھر کام کروں گا۔''

کہنے لگا: ''دیکھو، اللہ تعالیٰ نے مجھے طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈال رکھا ہے۔ اس کے باوجود اس نے مجھے اپنی بیشتر مخلوق پر فضیلت عطا کی ہے۔ اس نے مجھے عقل دی ہے۔ میں بات سمجھ سکتا ہوں۔ اپنا برا بھلا

جانتا ہوں۔ غور وفکر کرسکتا ہوں۔ کتنے لوگ ہیں جو عقل جیسی گراں قدر نعمت سے محروم ہیں۔ اللہ نے مجھے سماعت عطا کی ہے۔ میں بات سن سکتا ہوں۔ آس پاس جو کچھ ہوتا ہے اس کی آہٹ پا سکتا ہوں۔ کتنے انسان ہیں جو سماعت جیسی بیش بہا نعمت سے محروم ہیں، جو سن نہیں سکتے۔ اللہ نے مجھے قوتِ گویائی دی ہے۔ میں اللہ کا ذکر کرسکتا ہوں۔ اپنا مدعا کہہ سکتا ہوں۔ کتنے افراد ہیں جو زبان ایسی بیش قیمت نعمت سے تہی دامن ہیں۔ بول نہیں سکتے۔ بات سمجھا نہیں سکتے۔

اللہ نے مجھے مسلمان بنایا ہے۔ میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں۔ اس کی جناب میں اجر وثواب کا امیدوار ہوں۔ مصائب پر صبر کرتا ہوں جو بجائے خود ایک بڑی نعمت ہے۔ کتنے ہی بدنصیب لوگ بیمار ہوکر بھی بتوں کی اور صلیبوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یوں وہ دنیا وآخرت میں خسارہ پاتے ہیں۔ انھی نعمتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی بیشتر مخلوق پر فضیلت عطا کی ہے۔''

اندھا بوڑھا اللہ کی نعمتیں شمار کررہا تھا۔ اس کی قوت ایمانی اور شدت یقینی مجھے حیران کیے دے رہی تھی۔ وہ اللہ کی رضا پر پوری طرح راضی

تھا۔ میں خاموش بیٹھا اسے دیکھا کیا۔

وہ بولا: ''اب بتاؤ، میرا کام کرو گے؟''

میں نے کہا: ''ہاں، بتاؤ، کیا کام ہے؟''

آنکھوں میں آنسو بھر کے کہنے لگا: ''میرے خاندان کے سب افراد ختم ہو گئے۔ صرف ایک لڑکا بچا ہے جس کی عمر چودہ سال ہے۔ وہی ہر طرح سے میرا خیال رکھتا ہے۔ رات کو میرے لیے کھانا لینے نکلا تھا۔ ابھی تک نہیں لوٹا۔ معلوم نہیں کس حال میں ہوگا۔ میں ٹھہرا بڑا بوڑھا اور اندھا۔ اسے کیونکر تلاش کروں۔ تم کہیں سے اسے ڈھونڈ لاؤ۔ بڑا احسان ہوگا تمھارا مجھ نادار پر۔''

میں نے لڑکے کا حلیہ دریافت کیا اور بوڑھے کو تسلی دے کر لڑکے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ حیران تھا کہ کہاں جاؤں۔ کس سے پوچھوں۔ لڑکے کو کیسے تلاش کروں۔ اسی سوچ میں غلطاں تھا کہ قریب ہی ایک ٹیلے پر نظر پڑی۔ آگے بڑھا۔ ٹیلے پر چڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اسی لڑکے کی کٹی پھٹی لاش پڑی ہے جسے ڈھونڈنے نکلا تھا۔ اسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا تھا۔ لڑکے کا انجام تو اندوہ ناک تھا ہی لیکن اس کا سن کر بوڑھے کی جو حالت ہوتی، اس کے متعلق مجھے زیادہ پریشانی ہوئی۔ ٹیلے سے اترا۔ مارے غم کے قدم نہیں اٹھایا جاتا تھا۔ بمشکل خیمے تک پہنچا۔

سمجھ میں نہیں آتا تھا، بوڑھے کو کیسے بتاؤں کہ اس کا فرزند اور خاندان کا آخری فرد

بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ بوڑھے کی زبان بدستور ذکر الٰہی سے تر تھی۔ مجھے اللہ کے پیغمبر ایوب علیہ السلام کی آزمائش یاد آگئی۔ میں بوڑھے کے قریب گیا۔ وہ بڑی بے چینی سے میرا منتظر تھا۔ آواز سنتے ہی بولا: ''میرا بچہ کہاں ہے؟''

میں نے ہمت کر کے کہا: ''پہلے یہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کو تم زیادہ پیارے ہو یا ایوب علیہ السلام زیادہ پیارے تھے؟''

کہنے لگا: ''بلاشبہ ایوب علیہ السلام ہی زیادہ پیارے تھے۔''

میں نے پوچھا: ''تو تمھاری آزمائش زیادہ کڑی ہے یا ایوب علیہ السلام کی؟''

بولا: ''ایوب علیہ السلام کے مقابلے میں میری آزمائش کیا معنی رکھتی ہے۔''

اس پر میں نے کہا: ''اپنے بیٹے کے متعلق اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کی امید رکھو۔ مجھے ٹیلے پر اس کی لاش ملی ہے۔ وہ درندوں کا لقمہ بن گیا ہے۔''

یہ سننا تھا کہ بوڑھے کی چیخ نکل گئی۔ میں نے اس کی حالت غیر دیکھی تو کلمے کی تلقین کی۔ اس نے کلمہ پڑھتے پڑھتے میرے ہاتھوں میں جان دے دی۔ میں نے بوڑھے کی میت کو پاس پڑے لحاف سے ڈھانپ دیا اور خیمے سے باہر آگیا۔ اب مجھے کسی آدمی کی تلاش تھی جو بوڑھے کے کفن دفن میں میری مدد کرتا۔ قریب ہی تین مسافر گزرتے دکھائی دیے۔ میں نے انھیں آواز دی تو وہ میری طرف چلے آئے۔ میں نے بغیر کسی تمہید کے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے ایک نیکی آپ لوگوں کے مقدر میں کی ہے۔ کیا

آپ یہ نیکی کریں گے؟ ایک مسلمان وفات پا گیا ہے۔ اس کا والی وارث کوئی نہیں۔ کیا آپ اس کے کفن دفن میں میری مدد کریں گے؟''

وہ بولے: ''جی ہاں۔'' اور میرے ہمراہ خیمے میں داخل ہو گئے۔ میت کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو پکار اٹھے: ''ابو قلابہ، ابو قلابہ۔'' ان کے منہ سے بوڑھے کا نام سن کر مجھے تعجب ہوا کہ یہ اسے کیسے جانتے ہیں۔ میرے دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ یہ ہمارے علاقے کے ایک بڑے عالم ابو قلابہ ہیں۔ ان پر پے بہ پے آزمائشیں آئیں تو لوگوں سے کنارہ کر لیا اور اس بوسیدہ خیمے میں آ مقیم ہوئے۔

ہمارے ذمے ابو قلابہ کا جو حق تھا وہ ہم نے پورا کیا۔ انھیں کفنایا، دفنایا اور میں انھی تین مسافروں کے ہمراہ مدینہ آ گیا۔ اس رات میں نے ابو قلابہ کو خواب میں دیکھا۔ بڑے اچھے حلیے میں تھے اور سفید براق کپڑوں میں ملبوس سرسبز و شاداب میدان میں ٹہل رہے تھے۔ آنکھیں بھی بالکل ٹھیک تھیں۔

میں نے حیران ہو کر پوچھا: ''ابو قلابہ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ آپ تو بھلے چنگے ہو گئے ہیں؟ آخر ماجرا کیا ہے؟''

بولے: ''میرے رب نے مجھے جنت عطا کی ہے۔ جنت میں مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے صبر کیا، سو تم پر سلامتی ہو۔ یہ بڑا اچھا انجام ہے۔''[1]

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمۃ محمد بن أحمد بن محمد بن یحییٰ: 92/54، والثقات لابن حبان، ترجمہ عبداللہ بن زید ابو قلابۃ: 3/5.

مریض کی عیادت

مریض کی عیادت نہ تو اس کا روپیہ پیسہ دیکھ کر کرنی چاہیے اور نہ اس کا خاندانی مقام و مرتبہ دیکھ کر۔ مریض کی عیادت صرف اور صرف اللہ کے لیے کرنی چاہیے۔ اور نیت یہ ہونی چاہیے کہ ایک مسلمان کا دکھ بٹ جائے گا۔

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مریض کی عیادت کی، وہ اتنی دیر جنت کے پھلوں کے درمیان رہا۔'' [1]

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مسلمان صبح کو کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے، شام ہونے تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اور جو شام کو عیادت کرتا ہے، صبح ہونے تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اسے جنت میں ایک باغ عطا کیا جاتا ہے۔'' [2]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم مریض یا قریبِ مرگ کی عیادت کو جاؤ تو (اس کے پاس) اچھی بات کہو۔ وہاں تم جو کچھ کہتے ہو، فرشتے اس پر آمین پکارتے ہیں۔'' [3]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کے ہاں

جاتے یا مریض کو آپ کی خدمت میں لایا جاتا تو آپ اس کے لیے یوں دعا فرماتے:

«أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ، أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا»

''اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے۔ شفا دے دے کہ تو ہی شافی ہے۔ شفا تو وہی ہے جو تو دے دے۔ ایسی شفا دے جو کوئی بیماری نہ رہنے دے۔''[4]

[1] صحيح مسلم، حديث: 2568. [2] جامع الترمذي، حديث: 969، امام ترمذی نے اس روایت کو [حسن] قرار دیا ہے۔ [3] صحيح مسلم، حديث: 919. [4] صحيح البخاري، حديث: 5675، وصحيح مسلم، حديث: 2191.

ننھا احمد

احمد ایک ہنستا مسکراتا بچہ تھا۔ ایک دفعہ اچانک اس کے سر میں درد اٹھا جس نے رفتہ رفتہ شدت اختیار کر لی۔ گھر والوں نے بہتیرا علاج معالجہ کرایا مگر افاقہ نہ ہوا۔ سر میں ورم پیدا ہو کر پیپ پڑ گئی اور سر کا حجم بڑھنے لگا۔ سر بھاری ہوا تو احمد بیچارہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔ گھر والوں نے مایوس ہو کر احمد کو ایک پرانے کچے مکان میں ڈال دیا اور اس کی موت کا انتظار کرنے لگے۔

احمد پرانے کچے مکان میں کئی دنوں تک بے سدھ پڑا رہا۔ ایک رات جبکہ کمرے میں چراغ روشن تھا اور احمد کا بھائی اس کے سرھانے بیٹھا تھا، چھت کی لکڑیوں سے ایک سیاہ اور نہایت زہریلا بچھو نمودار ہوا۔ اس کا رخ احمد کی طرف تھا۔ احمد کے بھائی نے بچھو دیکھ لیا تھا لیکن اس نے بچھو کو نہیں مارا، نہ پرے ہٹایا۔ وہ احمد کے قریب سے اٹھا اور دور کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ بچھو احمد کو ڈس لے گا اور یوں احمد کی اور ان سب کی بھی خلاصی ہو گی۔ بچھو رینگتا ہوا احمد کے سر پر آ پہنچا۔ اس نے سر کو دو بار ڈسا۔ سر سے جا بجا پیپ کا اخراج ہونے لگا۔ بچھو ڈس کر جہاں سے آیا تھا، واپس چلا گیا۔ احمد کا بھائی جو دور کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا، بھاگا بھاگا گیا، والد اور دوسرے

بھائیوں کو بلا لایا۔ انھوں نے احمد کے سر سے بہتی پیپ کو صاف کرنا شروع کیا۔ سر کی سوجن آہستہ آہستہ اتر گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد احمد نے آنکھیں کھول دیں۔ اب وہ تندرست ہو چکا تھا۔ والد اور بھائی دل و جان سے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار تھے کہ چند روز پہلے جسے چارپائی پر ڈال کر لائے تھے اب وہ اپنے پیروں پر چل کر گھر واپس جا رہا تھا۔[1]

صبر کا نتیجہ ہمیشہ اس صورت میں نکلتا ہے کہ کلفت کے بعد راحت اور تنگی کے بعد آسانی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ راحت اور آسانی کا انتظار ہی افضل ترین عبادت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انتظار کے دوران میں بندہ اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھتا ہے۔ بالخصوص جب آدمی دربدر کی ٹھوکریں کھا کر اور ہر طرف سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کے در پر آ جاتا اور اقرار کر لیتا ہے کہ یا رب! اب تیرا ہی در ہے اور تو اپنے در سے کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی حاجت روائی کرتا اور اسے شفا عطا فرماتا ہے۔

[1] امام تنوخی نے اپنی کتاب الفرج میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

بلندیِ درجات

ایک روز رسول اللہ ﷺ ام سائب انصاریہ کے ہاں گئے تو دیکھا کہ وہ سردی سے کانپ رہی ہیں۔

آپ نے دریافت کیا: ''ام سائب! آپ کو کیا ہوا، کانپ رہی ہیں؟''

بولیں: ''بخار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہ کرے۔''

فرمایا: ''بخار کو برا مت کہیے۔ یہ ابن آدم کے گناہوں کو ایسے دور کر دیتا ہے جیسے آگ لوہے کا زنگ دور کر دیتی ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بیمار کر کے آزمائش میں ڈال دیتا ہے تا کہ ان کے درجات بلند کرے۔

ابن حبان کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آدمی کی منزل مقرر کر رکھی ہوتی ہے جس پر وہ اپنے عمل کے ذریعے سے نہیں پہنچ پاتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے آزمائش میں ڈالے رکھتا ہے، تا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے۔''[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''کوئی بیماری مجھے بخار سے زیادہ پیاری نہیں، اس لیے کہ بخار جسم کے تمام اعضا میں پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسم کے ہر عضو کو اس کے حصے کا ثواب عطا فرماتا ہے۔''[3]

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2575. [2] صحیح ابن حبان: 169/7. [3] الأدب المفرد للبخاري، باب یکتب للمریض، روایت: 503، حافظ ابن حجر نے روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

بہادر

ابوعبداللہ میرے دیگر احباب سے مختلف نہیں۔ لیکن ایک شے اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اور وہ ہے اس کا بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔ وہ ہمیشہ گوناگوں دعوتی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔ ان میں سے ایک نمایاں سرگرمی اس کا گونگے بہرے افراد کے ادارے میں مترجم کے فرائض انجام دینا ہے۔

ایک روز اس کا فون آیا: ''کیا خیال ہے، آپ کی مسجد میں گونگے بہرے افراد کے ادارے سے منسلک دو طالب علم پیش کیے جائیں جو وہاں موجود نمازیوں کو خطاب کریں گے؟''

میں نے تعجب سے کہا: ''گونگے بولنے والوں کو خطاب کریں گے؟''

وہ بولا: ''بالکل! پھر ہم اتوار کو آئیں گے۔''

میں بے چینی سے اتوار کے دن کا منتظر رہا۔

اتوار کے دن میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ان کا انتظار کرتا رہا۔ اتنے میں ابوعبداللہ کی گاڑی دروازے کے سامنے رکی اور اس کے ساتھ دو آدمی گاڑی سے برآمد ہوئے۔ ایک تو ابوعبداللہ کے پہلو میں چل رہا تھا اور دوسرے کو وہ ہاتھ سے پکڑ کر لا

رہا تھا۔ میں نے پہلا آدمی دیکھا۔ وہ گونگا بہرا تھا، یعنی سن اور بول نہیں سکتا تھا، البتہ اسے آنکھوں سے نظر آتا تھا جبکہ دوسرا گونگا بہرا ہونے کے ساتھ ساتھ نابینا بھی تھا۔ نہ وہ سنتا تھا، نہ دیکھتا اور نہ بول سکتا تھا۔ میں نے ابوعبداللہ سے ہاتھ ملایا۔ دائیں کھڑا احمد میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس سے بھی مصافحہ کیا۔

ابوعبداللہ نے نابینا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''فائز سے بھی ہاتھ ملایئے۔''

میں نے کہا: ''السلام علیکم، فائز!''

ابوعبداللہ نے ٹوکا: ''اس کا ہاتھ پکڑیے۔ وہ آپ کو سن نہیں سکتا اور نہ دیکھ رہا ہے۔''

میں نے اپنا ہاتھ فائز کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ تھام کر ہلایا۔ ہم سب مسجد میں آ گئے۔ نماز کے بعد ابوعبداللہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ دائیں طرف احمد اور بائیں طرف فائز کو بٹھالیا۔ لوگ حیرت سے تک رہے تھے۔ انھوں نے آج تک کسی گونگے کو لیکچر چیئر پر بیٹھے نہیں دیکھا تھا۔ ابوعبداللہ نے احمد کو اشارہ کیا۔ احمد کے ہاتھ حرکت میں آ گئے۔ اس کی تقریر شروع ہو چکی تھی۔ احمد کی کوئی بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے ابوعبداللہ سے کہا کہ وہ ترجمہ کر کے بات سمجھائے۔ احمد کے اشارے یا تو کوئی گونگا سمجھ سکتا تھا یا وہ جس نے گونگے بہروں کی زبان سیکھ رکھی

ہو۔ ابو عبداللہ مائیک پر آیا اور بولا:

''احمد آپ سے اپنی ہدایت کی کہانی کہہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں پیدائشی گونگا ہوں اور میں نے جدہ میں پرورش پائی۔ میرے گھر والے مجھے نظر انداز کرتے تھے۔ میں لوگوں کو مسجد جاتے دیکھتا تو سوچتا کہ یہ لوگ آخر مسجد کیوں جاتے ہیں۔ بارہا والد کو بھی دیکھتا کہ وہ جائے نماز بچھاتے اور رکوع و سجود کرتے لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کرتے ہیں اور یہ اٹھک بیٹھک کیسی ہے۔ گھر والوں سے کچھ پوچھتا تو وہ حقارت سے جواب نہ دیتے۔''

اتنا کہہ کر ابو عبداللہ نے احمد کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنی کہانی کا سلسلہ دوبارہ جوڑا اور ہاتھوں سے اشارے کرنے لگا۔ یکا یک اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ اسے اپنے جذبات پر قابو نہ رہا۔ احمد رو پڑا اور زار وقطار رویا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیوں رو رہا ہے۔ بہرکیف اس نے اشاروں سے تقریر جاری رکھی، پھر توقف کیا تو ابو عبداللہ نے بتایا: ''احمد آپ سے بیان کر رہا تھا کہ اس کی زندگی میں تبدیلی کیسے آئی۔ راہ چلتے ایک اجنبی نے از راہِ شفقت اسے اللہ کے بارے میں بتایا اور نماز سکھائی۔ اس نے پہلی بار نماز پڑھی تو اسے اللہ کے قرب کا احساس ہوا۔ اسے خیال گزرا کہ اللہ نے اسے جس

آزمائش میں ڈالا ہے، اس کا بڑا اجر ہے۔ اس نے ایمان کی حلاوت کا مزہ چکھ لیا تھا۔"

اس کے بعد ابوعبداللہ نے احمد کی بقیہ کہانی سنائی۔ اکثر لوگ یہ باتیں نہایت دلچسپی اور توجہ سے سن رہے تھے۔ لیکن میں مصروف تھا۔ میں کبھی احمد کو دیکھتا اور کبھی فائز پر نظر کرتا اور دل ہی دل میں کہتا: "احمد دیکھ سکتا ہے اور اشاروں کی زبان جانتا ہے۔ ابوعبداللہ بھی اشاروں کے ذریعے سے اس کی باتیں سمجھتا جاتا ہے۔ فائز کی باتیں وہ کیسے سمجھے گا جو نہ دیکھتا ہے، نہ سنتا ہے اور نہ بات کرتا ہے؟"

احمد کی تقریر اختتام کو پہنچی اور وہ آنسو پونچھتا ہوا اپنی کرسی پر آبیٹھا۔ اب ابو عبداللہ فائز کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے دل میں کہا: "ہائے! یہ کیا کرے گا؟"

ابوعبداللہ نے انگلیوں سے فائز کے گھٹنے پر آہستگی سے ضرب لگائی۔ فائز تیر کی طرح اٹھا اور نہایت اثر انگیز تقریر کی۔ لیکن کیسے؟ بول کر؟ نہیں، وہ تو گونگا تھا، بول نہیں سکتا تھا، یا پھر اشاروں کے ساتھ؟ نہیں، وہ تو نابینا تھا، اشاروں کی زبان نہیں سیکھ سکا۔ اس نے چھو کر تقریر کی۔ جی ہاں چھو کر!

ابوعبداللہ اپنا ہاتھ فائز کے آگے رکھتا اور فائز مخصوص جگہوں کو چھو کر بتاتا۔ مترجم اس کی بات سمجھ کر حاضرین سے بیان کرتا۔ اتنی دیر فائز ساکن کھڑا

رہتا۔ مترجم کی بات ختم ہوتی تو وہ فائز کے گھٹنے پر ضرب لگاتا اور فائز دوبارہ ہاتھ پھیلاتا۔ مترجم اپنا ہاتھ اس کے آگے کرتا اور فائز اسے چھو کر اپنا مدعا بیان کرتا۔ لوگ کبھی حیرت سے فائز کو دیکھتے اور کبھی مترجم کو تکتے۔ فائز لوگوں کو توبہ کا درس دے رہا تھا۔ وہ کبھی کانوں کو ہاتھ لگاتا، کبھی زبان پکڑتا اور کبھی ہاتھ آنکھوں پر رکھتا۔ ہم اس کی کوئی بات نہ سمجھ پاتے یہاں تک کہ ابوعبداللہ ترجمہ کر کے بتاتا۔ فائز لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ وہ آنکھیں اور کان حرام سے بچا کر رکھیں۔ میں لوگوں کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔ بعض سبحان اللہ کہہ رہے تھے۔ کچھ آپس میں اسی کے متعلق سرگوشیاں کر رہے تھے۔ الغرض لوگ توجہ اور شوق سے دیکھ اور سن رہے تھے۔ چند ایک رو رہے تھے۔ رہ گیا میں، میں ذرا پیچھے ہٹ گیا اور فائز کی صلاحیتوں، لوگوں کی صلاحیتوں، ان کی خدمت دینی اور اس کی خدمت دینی کا موازنہ کرنے لگا۔ جو فکر اس گونگے بہرے اور نابینا شخص کو تھی، دوسرے لوگوں کے سینوں میں شاید اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا۔

لوگ واقعتاً فائز سے بہت متاثر ہوئے۔ میں انھیں دیکھ نہیں رہا تھا لیکن تسبیح پڑھنے اور رونے کی آوازیں متواتر آ رہی تھیں۔ فائز نے تقریر ختم کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ لوگ اسے ملنے اور سلام کرنے کے لیے ارد گرد جمع ہو گئے۔ ابوعبداللہ نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھی

لوگوں کو سلام کہہ رہا تھا۔ ابوعبداللہ فائز کو لیے مسجد سے باہر آ گیا۔ ان دونوں کا رخ گاڑی کی طرف تھا۔ میں ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہ دونوں خوشگوار موڈ میں ایک دوسرے سے ہنسی کر رہے تھے۔

آہ! دنیا کس قدر حقیر ہے۔

کتنے لوگ ہیں جن کے ہاتھ پاؤں، آنکھیں، کان اور زبان سلامت ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو افسردگی اور غم واندوہ سے چھٹکارا دلانے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔

زندگی کا یہ پہلو کتنا حسین وجمیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آزمائش میں ڈالے، پھر بندہ اپنے دل کو دیکھے تو اسے صابر وشاکر اور راضی برضا پائے۔ دن پر دن گزرتے رہے لیکن فائز کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھرتی رہی۔

چند دنوں کے بعد ابوعبداللہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے فائز کے متعلق پوچھا۔

وہ آہ بھر کر بولا: ''یہ نابینا بھی بڑا عجیب آدمی ہے۔''

میں نے حیران ہوکر دریافت کیا: ''وہ کیسے؟''

کہنے لگا: ''میں نے زندگی بھر ایسا آدمی نہیں دیکھا جسے فائز سے زیادہ نماز کا خیال ہو۔ فائز کا تعلق بیرونِ الریاض (سعودی عرب) سے ہے۔ ہم نے ادارے میں اسے ایک چھوٹا کمرہ دے رکھا ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ ایک نوکر مقرر کیا ہے جو اس کا کھانا پکاتا ہے، نماز کے لیے بیدار کرتا اور دیگر ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ نوکر نماز کے وقت آتا ہے، دروازہ کھولتا یا ہلکی دستک دیتا ہے کہ نماز کا وقت آن پہنچا۔ فائز فی الفور اٹھ کر وضو کرتا ہے، پھر نیچے مین گیٹ کے پاس اس کا انتظار کرتا ہے کہ وہ آئے اور ہاتھ پکڑ کر نماز کے لیے لے جائے۔ نوکر کو کبھی دیر سویر ہو جاتی ہے۔ ایسے

موقع پر فائز دروازے کو پیٹتا اور نوکر کو جلدی آنے کو کہتا ہے۔ نوکر پھر بھی نہ آئے اور نماز کا وقت نکل جانے کا خدشہ ہو تو فائز خود ہی مسجد کی طرف نکل کھڑا ہوتا ہے۔ مسجد کے راستے میں دو رویہ شاہراہِ عام پڑتی ہے۔ فائز ہاتھ سے اشارہ کرتا گزر جاتا ہے۔ ایک دو بار تو اسے بچاتے بچاتے گاڑیوں کا تصادم بھی ہو چکا ہے۔

ایک دفعہ میں عصر کے وقت ادارے میں آیا تو مین گیٹ پر چند گونگوں کو اپنا منتظر پایا۔ انھوں نے اشارہ کر کے بتایا کہ فائز کو کوئی پرابلم ہے۔ میں جلدی سے فائز کی طرف گیا۔ دیکھا تو وہ شدید غصے میں تھا۔ غترے[1] کو زمین پر پٹک کر ہاتھوں سے تیز تیز اشارے کر رہا تھا جو بیچارے گونگوں کی سمجھ سے بالا تر تھے۔

میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھا تو وہ مجھے پہچان گیا۔ اس نے ہاتھ کی خاص جگہوں کو چھو کر اپنا مسئلہ بتایا۔ میں نے جواب میں فائز کے ہاتھ کی خاص جگہوں کو چھوا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ دراصل وہ شاکی تھا کہ آج نمازِ فجر جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ سکا۔ موجودہ نوکر کو فوراً تبدیل کیجیے جس کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔ مارے غصے کے فائز کے آنسو نکلنے کو تھے۔ بہرکیف میں نے اسے مطمئن کیا۔ تب جا کر کہیں اس کا پارہ نیچے آیا۔"

---

[1] **غترہ:** روایتی کپڑا جسے عرب سر پر اوڑھتے ہیں۔

فکر مندی

ایک مرتبہ ماہِ رمضان میں مجھے سویڈن جانے کا اتفاق ہوا۔ میں تبلیغی سفر پر تھا۔ سویڈن میں مجھے چند تقریریں کرنی تھیں۔ وہاں پہنچا تو احباب نے سویڈن کے اسلامک سینٹر آنے کی دعوت دی۔ اسلامک سینٹر میں انھوں نے چند نوجوان سویڈن مسلمانوں کے ساتھ میری نشست کا اہتمام کیا تھا۔ ظہر کے بعد اسلامک سینٹر پہنچا تو وہ لوگ مسجد میں حلقہ بنائے بیٹھے میرا انتظار کررہے تھے۔ ان کے درمیان موجود ایک پندرہ سالہ لڑکے پر بطورِ خاص میری نظر پڑی۔ معلوم ہوا کہ اُس کا نام محمد ہے۔ سویڈن کا شہری ہے لیکن آبائی وطن صومالیہ ہے۔ وہ ویل چیئر پر بیٹھا تھا۔ ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر باندھ دیے گئے تھے کہ ان میں رعشہ تھا۔ یوں بھی وہ ہاتھوں کو استعمال کرنے سے قاصر تھا۔ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ سر میں بھی دائمی رعشہ تھا۔ مجھے بڑا رحم آیا۔ میں اس کے قریب گیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ پتا چلا کہ وہ عربی نہیں جانتا، البتہ انگریزی، صومالی اور سویڈن زبانوں کو خوب سمجھتا ہے۔ میں نے اسے بیماری کے فضائل اور مریض کے اجروثواب کے متعلق بتایا۔ میری باتوں کے جواب میں وہ سر ہلاتا رہا۔ محمد کے سامنے ایک تختی لگائی گئی تھی جس پر

چھوٹے چھوٹے خانے بنے تھے۔ ہر خانے میں ایک مختصر تحریر مرقوم تھی: شکریہ۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ میں نہیں کر سکتا۔ میرے دوست کو فون کیجیے، وغیرہ۔

میں نے تختی کو حیرت سے دیکھا تو ایک صاحب نے بتایا کہ یہ لڑکا جب کچھ کہنا چاہتا ہے تو ایک گول کڑا اس کے سر پر پہنا دیا جاتا ہے جس کے ساتھ ایک ہلکی پھلکی چھڑی منسلک ہوتی ہے۔ یہ سر کو حرکت دے کر چھڑی کو مطلوبہ خانے پر ٹکا دیتا ہے۔ یوں اس کا مدعا سمجھ میں آ جاتا ہے۔ محمد کی بات سمجھنے کا یہی ایک طریقہ ہے، اس لیے کہ یہ بول نہیں سکتا اور نہ ہاتھوں کو اپنی مرضی سے حرکت دے سکتا ہے۔

میں نے محمد کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین اسلام کی صورت میں بہت بڑی نعمت عطا کی ہے۔ یہ نعمت مل جائے تو دنیا کی تمام نعمتیں اس کے آگے ہیچ ہیں۔ میرے لیے یہ انکشاف بڑے تعجب کا باعث بنا کہ محمد اسلام کا مبلغ ہے۔ لیکن کیسے؟ میں آپ کو بتاتا ہوں:

''سویڈن کی وزارتِ معاشرتی امور نے محمد کے لیے دو مستقل خدمت گار مقرر کر رکھے ہیں جو صبح و شام اس کی خدمت کو آتے ہیں۔ خدمت گار غیر مسلم ہو تو محمد تختی کے ذریعے سے اسے کہتا ہے کہ میرے دوست کو فون کرو اور اس سے پوچھو کہ اسلام کیا ہے، اسلام اور نصرانیت میں کیا فرق ہے اور روزِ قیامت ایک مسلمان اور غیر مسلم کی حالت کیا ہوگی۔ نوکر یہ سارے سوالات محمد کے دوست

سے دریافت کرتا ہے۔ محمد کا دوست نوکر کو جواب دیتا ہے جنھیں وہ پوری طرح سمجھ کر محمد کو بتاتا ہے۔ اب محمد خدمت گار کو حکم دیتا ہے کہ دفتر جاؤ اور فلاں دراز کھول کر دیکھو۔ خدمت گار جا کر دراز کھولتا ہے تو وہاں سے اسلام کے متعلق کتابیں برآمد ہوتی ہیں، جن کا وہ مطالعہ کرتا ہے۔ یوں بیشتر افراد اسلام سے متاثر ہوتے ہیں۔

محمد اپنے دائمی مرض کی وجہ سے افسردہ اور غمزدہ نہیں بلکہ اپنی دستیاب صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسلام کی خدمت میں مصروف ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ میں اور آپ معمولی سی بیماری کی وجہ سے افسردہ اور تنگ دل ہو جاتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہیے۔ ایمان کی بشاشت نصیب ہوگی۔ یاد رکھیے، ہر انسان اپنی دستیاب صلاحیتوں کے متعلق جواب دہ ہوگا کہ اس نے انھیں کیسے استعمال کیا یا استعمال کیا بھی کہ نہیں۔

گونگا خالد اور اس کا زندہ دل ماموں

ڈاکٹر عبدالعزیز بتاتے ہیں کہ اس روز میرے کلینک میں خاصی گہما گہمی تھی۔ زیادہ تر مریض دور دراز کے دیہات سے آئے تھے۔ مریضوں میں خالد نامی ایک دس سالہ بچہ بھی تھا۔ دو افراد اس کے ہمراہ تھے۔ خالد کی سماعت کمزور ہے۔ اس سلسلے میں وہ پہلے بھی بارہا کلینک پر آچکا تھا۔ تب وہ ایک معمر آدمی کے ہمراہ آتا تھا جو میرے خیال میں اس کا والد تھا۔ خالد کی باری آئی تو وہ اور اس کے ہمراہ آئے دونوں افراد میرے قریب آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ان دو افراد میں سے ایک خالد کا والد تھا اور دوسرا خالد کا ماموں تھا جو اکثر خالد کو لیے کلینک پر آیا کرتا تھا۔ اسے میں خالد کا والد سمجھتا رہا تھا۔ خالد کے ماموں نے جو کئی برسوں سے اس کا علاج کرا رہا تھا، مجھے خالد کے متعلق تفصیل سے بتایا کہ آپ کے دیے ہوئے آلاتِ سماعت سے خالد کی سماعت پہلے سے بہت بہتر ہوگئی ہے۔ خالد کا ماموں اس صورت حال سے بے حد خوش تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ سماعت کے بہتر ہونے سے خالد پڑھائی میں بھی بہت اچھا ہوگیا ہے۔ اسپیشل بچوں کے جس اسکول میں خالد زیر تعلیم ہے وہاں کے اساتذہ اس تبدیلی پر بہت خوش ہیں۔

''ڈاکٹر صاحب!'' خالد کے ماموں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔''اب کے میں خالد کے والد کو آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ آپ ان کے لیے بھی مناسب سا آلۂ سماعت تجویز کر دیجیے تاکہ ان کی سماعت میں بھی بہتری آ جائے۔''

''تو کیا خالد کے والد بھی نہیں سن سکتے؟'' مجھے قدرے حیرت ہوئی۔

''جی ہاں، کئی سالوں سے۔'' خالد کے ماموں نے جواب دیا۔

میں پہلے خالد کی طرف متوجہ ہوا۔''خالد! کیسے ہو؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ خیریت سے ہوں۔'' خالد نے جلدی سے جواب دیا۔

''تمھارا اسکول کیسا ہے؟''

''بہت اچھا ہے۔''

خالد کو خوب سنائی دے رہا تھا اور وہ بول رہا تھا۔ تاہم اسے بولنے میں قدرے دشواری ہو رہی تھی۔ دراصل اسے مزید مشق کی ضرورت تھی۔ ہاں اس کا ذہن عمر کے ساتھ ساتھ درست طور پر پرورش پا رہا تھا۔

میں نے خالد کے ماموں کو مخاطب کر کے کہا: ''خالد کی سماعت میں بہت بہتری

آئی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ خالد زیادہ سے زیادہ بولنے کی مشق کرے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اسے جلد از جلد عام اسکول میں داخل کرا دیں تاکہ یہ نئے ماحول میں بہتر طور پر بولنا سیکھ جائے۔''

میری اس بات نے خالد کے ماموں کو یکدم پریشان کر دیا۔

وہ بولا: ''نہیں، خالد کو اسپیشل بچوں کے اسکول ہی میں رہنا ہے۔''

''لیکن کیوں؟ کیا مشکل ہے؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اول تو یہ کہ خالد کو عام اسکول میں داخل کرانا اور تعلیم کے اخراجات برداشت کرنا میرے بس میں نہیں۔ دوسرے خالد نے گونگوں کی زبان سیکھ لی ہے۔ اور اسے اپنی اس مہارت کو آگے بڑھانا ہے تاکہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ بآسانی بات چیت کر سکے۔'' خالد کے ماموں نے وجہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ بآسانی بات چیت کر سکے؟'' میری حیرانی بڑھتی جاتی تھی۔

''دراصل خالد کے سب گھر والے گونگے بہرے ہیں۔'' خالد کے ماموں نے

انکشاف کیا۔

''ایں! کیا واقعی؟'' میں تو مارے تعجب کے اچھل پڑا۔

''لیکن آپ تو صرف خالد کا علاج کرا رہے ہیں؟'' میرا سوال تھا۔

''جی ہاں ڈاکٹر صاحب۔'' خالد کے ماموں نے کہا۔ ''دراصل ہم سب خاندان والے یکبارگی دیہات چھوڑ کر نہیں آسکتے۔ لیکن خالد کا معاملہ اہم ہے۔''

''آپ نے خالد کی بہنوں کا ذکر کیا تھا۔ ان کی عمریں کیا ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''بڑی بہن تو پندرہ سال کی ہوچکی ہے اور چھوٹی کی عمر تقریباً آٹھ سال ہے۔'' خالد کے ماموں نے بتایا۔

اس پر میں نے ذرا غصے میں آکر کہا: ''تو اب آپ اس کے بوڑھے والد کو لائے ہیں کہ میں ان کی سماعت کا علاج کروں اور دونوں بہنوں کو گھر چھوڑ آئے ہیں۔ جبکہ ان کی عملی زندگی ابھی آغاز کے مراحل میں ہے۔ بڑی کی پڑھنے کی عمر تو گئی۔ چھوٹی کا وقت بھی محرومی ہی میں ضائع ہورہا ہے۔ کیا یہ ان بیچاریوں کا استحصال نہیں؟ کیا ایسا کرنا آپ کے لیے جائز ہے؟ اور تو اور آپ کا یہ بھی اصرار ہے کہ خالد نہ چاہتے ہوئے بھی اسی ماحول میں تربیت پائے۔''

خالد کا ماموں اپنی صفائی پیش کرنے لگا: ''دراصل میں ان سب کو یہاں لانے اور ان کا علاج کرانے پر قادر نہیں۔''

ڈاکٹر عبدالعزیز کہتے ہیں: ''میں خاصی دیر خالد کے ماموں سے مغز ماری کرتا رہا کہ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ خالد کو علاج کے لیے لا سکتے ہیں تو اس کی بیچاری بہنوں کا کیا قصور ہے؟ کیا بہتر زندگی گزارنا ان کا حق نہیں؟''

آخر خالد کا ماموں مان گیا اور جاتے ہوئے مجھ سے وعدہ کر گیا کہ میں ان سب کو اپنی چھوٹی سی گاڑی میں بھر لاؤں گا۔ اس کی بات پر میں بے اختیار مسکرا دیا۔

کاش سب لوگ خالد کے ماموں کی طرح زندہ دل اور روشن دماغ ہو جائیں!

اس لیے کہ جو آدمی اپنے بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے، اللہ اس کے کام میں لگا رہتا ہے۔

مرد طبیب اور مریضہ

یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ مرد طبیب مریضہ کا علاج کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر کرسکتا ہے تو کن حالات میں کرسکتا ہے۔ چاہیے تو یہی کہ خاتون طبیب ہی مریضہ کا علاج کرے۔ لیکن جب خاتون طبیب میسر نہ ہو اور ضرورت کا تقاضا ہو تو مرد طبیب بھی مریضہ کا علاج کرسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ عورت کے بدن کو بقدرِ ضرورت ہی دیکھے۔ مثال کے طور پر اگر پنڈلی میں تکلیف ہے تو مرد طبیب کے لیے جائز نہیں کہ وہ پنڈلی کے علاوہ بدن کا کوئی اور حصہ دیکھے۔ مرد طبیب علاج کے وقت مریضہ کے ساتھ تنہائی اختیار نہیں کرسکتا۔ مریضہ کے ساتھ اس کا محرم موجود رہے گا۔ محرم نہ ہو تو کم از کم نرس کو اس موقع پر موجود رہنا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ ایک صاحب اپنی اہلیہ کو طبیب دندان (Dentist) کے پاس لے گئے۔ طبیب نے بلایا تو انھوں نے اہلیہ کو بھیج دیا اور خود باہر انتظار کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ آپ بیگم صاحب کے ساتھ اندر کیوں نہیں گئے؟

کہنے لگے: ''تاکہ ان کے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔''

بلاتبصرہ!!

چند لمحے طبیب کی صحبت میں

طب ایک معزز پیشہ ہے۔ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام بھی بیماروں کا علاج معالجہ کیا کرتے تھے۔ آپ اللہ کے حکم سے نابینا کو بینا اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے مردوں کو بھی زندہ کر دیا کرتے تھے۔ یوں طب ایک معزز پیشہ اور رہنمایانہ عمل ہے۔ ایک اچھے اور خیر خواہ طبیب کو حسبِ ذیل باتوں پر لازماً عمل کرنا چاہیے:

① امانت داری اور مریضوں کی پردہ پوشی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

''جس نے ایک مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔''[1]

طبیب، مفتی، قاضی اور پرسنل سیکرٹری جیسے بعض افراد کا پیشہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے راز داں بن جاتے ہیں۔ ایسے افراد پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کی پردہ پوشی کریں۔ لوگوں کے راز افشا کرنا ان کے لیے جائز نہیں۔ ہاں لوگ اجازت دیں یا افشائے راز میں کوئی مصلحت نظر آئے تو راز سے پردہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مثال کے

طور پر مریض وبائی مرض میں مبتلا ہوتو ذمہ داران کو خبر کردینی چاہیے۔ زوجین میں سے کوئی ایڈز وغیرہ جیسے متعدی جنسی مرض میں مبتلا ہوتو بھی فریقِ ثانی کو بتا دینا چاہیے۔

② ذاتی مفاد کی خاطر عہدے کا غلط استعمال

ایک روز مجھے ایک جگہ تقریر کرنی تھی۔ میں تقریر کر کے باہر آیا تو ایک صاحب میری جانب بڑھے اور بولے: ''مولانا! میں ایک بڑی ادویات ساز کمپنی میں ملازم ہوں۔ کمپنی بلا مبالغہ کروڑوں روپے ادویات کی تشہیر پر خرچ کرتی ہے۔ مجھے ہر سال ایک ملین روپے صرف اس لیے دیے جاتے ہیں کہ میں طبیبوں سے تعلقات استوار کروں۔''

''اچھا! وہ کیسے؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''وہ اس طرح کہ ہم طبیب کو اپنی تیار کردہ ادویات کی فہرست اور کمپنی کا تعارفی پمفلٹ ارسال کرتے ہیں۔ قیمتی گھڑی، نفیس قلم یا موبائل فون کی صورت میں کوئی گراں قدر تحفہ بھی ادویات کی فہرست اور تعارفی پمفلٹ کے ہمراہ کیا جاتا ہے۔ طبی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے ہم طبیب کے اخراجات سفر برداشت کرتے ہیں۔ کمپنی اپنے خرچ پر طبیب اور اس کے اہلِ خانہ کو بیرونِ ملک سیاحت کے لیے روانہ کرتی ہے۔

طبیب جس ہسپتال میں خدمت انجام دیتا ہے، وہاں ہماری ادویات کی ترسیل بڑھ

جاتی ہے۔ یوں ہمیں پتا چل جاتا ہے کہ طبیب نسخہ لکھتے وقت ہماری ہی ادویات تجویز کررہا ہے۔ نتیجے کے طور پر ہم طبیب کو مزید پروٹوکول دیتے ہیں۔ ویسے بھی ہمیں یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ کون سا طبیب ہمارا بھرپور ساتھ دے رہا ہے اور کون سا طبیب آئندہ ہمارے ساتھ چلنے پر راضی ہوگا۔''

''آپ طبیب کی جو قدر دانی کرتے ہیں، اس سے مریض کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچتا؟'' میں نے استفسار کیا۔

اس نے جواب دیا: ''تحفے تحائف کے بدلے میں طبیب ہماری ادویات تجویز کرتا ہے۔ یوں مہنگی ہونے کے باوجود ان کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ دوسری کمپنیوں کی سستی ادویات جو اسی فارمولے کے مطابق تیار کی جاتی ہیں، طبیب ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ طبیب غیر ضروری ادویات تجویز کرتا ہے۔ مثال کے طور پر وٹامن کی گولیاں نسخے میں لکھ دی جاتی ہیں جن کی مریض کو فوری اور اشد ضرورت نہیں ہوتی۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ طبیب خود بھی فائدہ اٹھائے اور ہمیں بھی فائدہ دے۔''

''لیکن اس کا خمیازہ بیچارے مریض کو بھگتنا پڑتا ہوگا۔'' میں نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

’’جی ہاں، بالکل۔‘‘ اس نے میری تائید کی۔ لیکن مریض طبیب کی تجویز کردہ غیر ضروری دوا ضرور خریدتا ہے۔ ہم نے یہ انتظام بھی کر رکھا ہوتا ہے کہ مریض وہ دوا ہمی سے خریدے۔‘‘

’’لیکن وہ دوا کی زائد قیمت ادا کرتا ہے اور دوا بھی وہ جس کی اسے ضرورت نہیں ہوتی، صرف اس لیے کہ آپ کو فائدہ ہو۔‘‘ میں نے کہا۔

’’جی ہاں، آپ نے درست کہا۔‘‘ اس نے میری تصدیق کی۔

اس پر میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا: ’’طبیب کے لیے اس طریقے سے مریضوں کا استحصال کرنا ہرگز جائز نہیں۔ طبیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ ادویات ساز کمپنیوں کی پیش کش قبول نہ کرے بلکہ اسے چاہیے کہ ایسی مفاد پرست کمپنیوں کے خلاف آواز اٹھائے۔‘‘

امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ طبیب مریض کے لیے صحیح دوا تجویز کرے، خواہ وہ کسی بھی کمپنی کی ہو۔ بعض سستی مہنگی دوائیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اس موقع پر بھی طبیب کو سستی دوا تجویز کرنی اور مریض کا روپیہ بچانا چاہیے۔

③ امانت داری کا ایک اور پہلو

امانت داری کا ایک اور پہلو جو سابقہ پہلو سے کم اہمیت کا حامل نہیں، یہ ہے کہ مریض کے پردے کا خیال رکھا جائے۔ طبیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ دورانِ علاج مریض کے پردے کا خیال رکھے اور کوشش کرے کہ بالخصوص آپریشن سے پہلے، دورانِ آپریشن اور آپریشن کے بعد مریض کا ستر غیر ضروری طور پر نہ کھلنے پائے۔

ہسپتالوں میں دیکھا گیا ہے کہ اس سلسلے میں بہت لاپروائی برتی جاتی ہے جبکہ یہ معاملہ نہایت سنگین اور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ڈاکٹر سارہ کا کہنا ہے: ''آپریشن تھیٹر کی تو بات ہی مت کیجیے۔ معالج حضرات اور طب کے طلبہ کی موجودگی میں عورت کو سرتاپا برہنہ کر کے آپریشن کی میز پر ڈال دیا جاتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ بھئی! اسے ڈھانپو۔ بڑے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ''ارے! کیا حرج ہے! ہم سب طبیب ہی تو ہیں۔''

میں دل ہی دل میں کہتی ہوں: ''اچھا! ہم سب طبیب ہیں تو لوگوں کی عزت کو ننگا کرنا ہمارے لیے جائز ٹھہرا؟! واہ بھئی!

میں یقین سے کہتی ہوں کہ اس کے بجائے بڑے ڈاکٹر صاحب کی بیوی ہوتی تو وہ کسی کو اسے دیکھنے کی اجازت نہ دیتے۔''

④ عاجزی، انکسار اور نرمی

⑤ مرض اور علاج معالجہ سے متعلق احکامِ شریعت کا ادراک

معالج کو مرض اور علاج معالجہ سے متعلق احکامِ شریعت کا کچھ نہ کچھ ادراک ہونا چاہیے۔

⑥ جھوٹی گواہی

سرکاری ادارے رخصت، ریٹائرمنٹ یا اجرائے وظیفہ کے معاملات میں ملازمین سے کسی مستند طبیب کی طبی رپورٹ کا سرٹیفکیٹ طلب کرتے ہیں۔

طبیب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا جاری کردہ سرٹیفکیٹ حقیقت پر مبنی ہو۔ جھوٹا سرٹیفکیٹ جھوٹی گواہی کے مترادف ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: ''کیا میں آپ کو بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کے متعلق نہ بتاؤں؟''

صحابۂ کرام نے کہا: ''کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول!''

فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔''

یہ کہہ کر آپ چند ثانیے خاموش رہے، پھر فرمایا: ''یاد رکھیے، اور جھوٹی گواہی بھی۔'' یاد رکھیے، اور جھوٹی گواہی بھی (کبیرہ ترین گناہ ہے۔)'' آپ یہ بات دہراتے رہے، دہراتے رہے۔ صحابۂ کرام کو گمان ہوا کہ آپ خاموش نہیں ہوں گے۔ [2]

عرب کے کسی شاعر نے کہا تھا:

وَلَا تَكْتُبْ بِكَفِّكَ غَيْرَ شَيْءٍ ... يَسُرُّكَ فِي الْقِيَامَةِ أَنْ تَرَاهُ

''اپنے ہاتھ سے وہی شے لکھو جسے قیامت میں دیکھنا پسند کرو۔''

⑦ مریض کے سامنے دوسرے طبیبوں پر تنقید نہ کیجیے

بعض طبیب غیر معمولی طور پر پیش ورانہ صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ایسے میں انھیں اپنی بے جا تعریف نہیں کرنی چاہیے۔ طبیب کو مریض کے سامنے دوسرے طبیبوں پر تنقید کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ امراض دو قسم کے ہوتے ہیں: روحانی اور جسمانی۔ طبیب دونوں قسم کے امراض کا علاج کرنے میں ماہر ہو تو بڑی اچھی بات ہے۔

سنن ابن ماجه، حديث:2544 صحيح البخاري، حديث:5976.

بسترِ مرگ پر

مریض کا آخری وقت آن پہنچے اور طبیب کو یقین ہو جائے کہ اب مریض کی چند ہی سانسیں باقی ہیں تو سنت کے مطابق اسے مریض کو کلمے کی تلقین کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قریب مرگ کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔'' [1]

تلقین نہایت نرمی سے کی جانی چاہیے۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ ارے بھئی! لا الٰہ الا اللہ کہو کہ تمھارا آخری وقت آن پہنچا۔ نہیں! ایسا مت کیجیے۔ بلکہ قریبِ مرگ کے پاس اللہ کا ذکر کیجیے اور کلمۂ شہادت پڑھیے تاکہ اسے بھی یاد آجائے اور وہ بھی اللہ کا ذکر کرلے یا کلمۂ شہادت پڑھ لے، ہاں قریب مرگ کافر ہے تو آپ انسے صاف صاف کہہ سکتے ہیں کہ بھئی! اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرلو اور لا الٰہ الا اللہ کہہ دو۔

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کا آخری وقت آن پہنچا تو آپ نے ان سے کہا تھا: ''چچا جان! لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے۔ اس ایک کلمے کی وجہ سے میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے بحث کرلوں گا۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ ایک یہودی لڑکے کی عیادت کو گئے جو مرنے کے قریب تھا۔ آپ

نے اس سے کہا: ''لڑکے! لا الٰہ الا اللہ کہہ دو۔'' آپ یہ بات دہراتے رہے، حتی کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور جاں بحق ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا۔''[2]

جو آدمی قریب مرگ کی عیادت کو آئے اسے چاہیے کہ مرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان رکھنے کی تاکید کرے اور اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرے۔ بہت ممکن ہے اسے اولاد کی کس مپرسی یا ادائیگی قرض کی فکر ہو۔ عیادت کرنے والا اسے یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ وہ تمھارے بچوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ یوں مرنے والے کو اطمینان نصیب ہوگا اور وہ سکون کی موت مرے گا۔

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 916. [2] صحيح البخاري، حديث: 3884، و صحيح مسلم، حديث: 24. [3] صحيح البخاري، حديث: 1356.

طبیب اور دعوت وتبلیغ

میں عیسائی مشن کے متعلق ایک مضمون کا مطالعہ کررہا تھا۔ بڑا جاندار مضمون تھا۔ مضمون نگار نے عیسائی مشن کے طریقِ کار کی تفصیل سے وضاحت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ لوگوں کی ضروریات کو کس طرح اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

عیسائی میڈیکل مشن کا موٹو یہ تھا: ''جہاں انسان بستے ہیں، وہاں بیماریاں بھی ضرور ہوتی ہیں۔ جہاں بیماریاں ہوتی ہیں، وہاں طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور جہاں طبیب کی ضرورت پڑتی ہے، وہاں مشن کو پھیلانے کا مناسب موقع ملتا ہے۔''

میں نے طبی امداد کی آڑ میں عیسائیوں کی تبلیغی مساعی کا کھوج لگایا تو اس سلسلے میں ان کا طریقِ کار دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

'انٹرنیشنل بلیسنگ آپریشن' کا شمار دنیا کی نمایاں ترین عیسائی مشنری تنظیموں میں ہوتا ہے۔ یہ تنظیم 'کرسچن براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک' کے زیر سرپرستی کام کرتی ہے۔ امریکی مشنری 'پیٹ رابرٹسن' کرسچن براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک کا ڈائریکٹر ہے جو 1987ء کے عام امریکی انتخابات میں امیدوار کی حیثیت سے شامل تھا۔انٹرنیشنل بلیسنگ

آپریشن نے پچیس ملین ڈالر کی خطیر رقم سے ایک جمبو جیٹ طیارے میں ہوائی ہسپتال قائم کیا ہے۔ ہوائی ہسپتال کو جدید ترین طبی آلات سے آراستہ کیا گیا ہے۔ ہوائی ہسپتال پر مشتمل جمبو جیٹ طیارہ دنیا کے مختلف ممالک میں سفر کرتا ہوا مقررہ جگہوں پر اترتا اور مفت طبی امداد فراہم کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طبی امداد کے پردے میں عیسائیت کی تبلیغ کا کام کیا جاتا ہے۔ اول مریض سے اس کا مذہب دریافت کیا جاتا ہے، پھر وہ دس منٹ کا لیکچر سنتا ہے جس میں مسیح علیہ السلام اور عیسائیت کے متعلق بتایا جاتا اور مسیح علیہ السلام کی پیروی میں راہِ نجات کی تلاش کے بارے میں وضاحت کی جاتی ہے۔

لیکچر سننے کے بعد مریض کو دوا دی جاتی ہے۔ عیسائیت کی تعلیمات پر مبنی چند کتابیں اور پمفلٹ بھی دوا کے ہمراہ کیے جاتے ہیں۔ کتابوں کو بغور پڑھنے اور چند روز بعد دوبارہ آنے کے وعدے پر مریض کو رخصت کردیا جاتا ہے۔ ہوائی مشنری ہسپتال کے متعلق پڑھ کر میں تو حیران رہ گیا۔

عیسائیوں کی ایک تنظیم نے اتنا بڑا کام کر دیا! کیا پوری امت مسلمہ مل کر بھی ایسا کام نہیں کر سکتی؟

امام شافعی نے علم طب میں مسلمانوں کی عدم دلچسپی دیکھ کر کہا تھا: ''مسلمانوں نے علم کا تیسرا حصہ یہود و نصاریٰ کے حوالے کر کے کھو دیا ہے۔''

طب کے میدان میں دعوت و تبلیغ کی بڑی اہمیت ہے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے ہسپتال کی زمین بڑی زرخیز ثابت ہوتی ہے۔لوگوں کی زندگی سے طبیب کا بڑا گہرا اور بنیادی تعلق ہوتا ہے۔ دنیا کا ہر انسان لامحالہ بیمار پڑتا ہے اور اسے طبیب کی مدد لینی پڑتی ہے۔ یوں وہ چاہتا ہے کہ طبیب سے اس کا خوشگوار تعلق قائم ہو اور تادیر قائم رہے۔ لوگ عام طور پر طبیب کی باتوں کا برا نہیں مانتے، چنانچہ ایک اچھے مسلمان طبیب کو چاہیے کہ وہ پیشہ ورانہ امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتا رہے۔

مشن: تبلیغی جماعت۔

طبیب اور بھلائی کی کنجیاں

میں ایک روز فرصت کے اوقات میں گھر بیٹھا شعبۂ طب کے معاملات پر غور کر رہا تھا۔ میں نے شعبۂ طب کا موازنہ زندگی کے دیگر پیشہ ورانہ شعبوں سے کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ شعبۂ طب کئی لحاظ سے ایک منفرد شعبہ ہے۔

مدرس یا استاد کو خاص قسم کے لوگوں سے نمٹنا ہوتا ہے جو اپنے رجحانات، افکار و نظریات اور صلاحیتوں میں قریب قریب برابر ہوتے ہیں۔ یوں مدرس یا استاد کو ان سے نمٹنے کے لیے زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔

انجینئر کو بھی تقریباً ایک ہی طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ یوں اسے بھی ذہنی طور پر بڑی کاوش نہیں کرنی پڑتی۔

ہوائی جہاز کے پائلٹ کا بھی یہی حال ہے۔ وہ مسافروں سے لاتعلق ہو کر مزے سے پائلٹ سیٹ پر بیٹھا رہتا ہے۔

معمار، لوہار، بڑھئی، موچی اور زندگی کے دیگر شعبوں میں خدمات انجام دینے والے افراد کا سابقہ بھی یکساں قسم کے لوگوں سے ہوتا ہے۔

ان سب کے برعکس طبیب کے پاس اس کے کلینک میں ہر طرح کے مریض آتے

ہیں۔ ذہین اور سمجھ دار مریض جو طبیب کی ہدایات کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں اور طبیب کو بھی ان کا مسئلہ سمجھنے میں دقت پیش نہیں آتی۔

نادان مریض جو طبیب کا دماغ چاٹتے ہیں: ''ڈاکٹر صاحب! میری سمجھ میں نہیں آیا۔ نہیں، آپ میری بات نہیں سمجھے۔ ذرا تفصیل سے بتائیے۔''

بدگمان مریض جنھیں طبیب کے اخلاصِ نیت پر شک گزرتا ہے: ''کیا مطلب ہے آپ کا ڈاکٹر صاحب! خدا کا خوف کریں۔ اتنی مہنگی دوائیں میں کہاں سے خریدوں گا؟ یہ سارے ٹیسٹ کس لیے؟ آپ یہاں بیٹھے لوٹ مار کر رہے ہیں؟''

بعض مریض جلدی طیش میں آجاتے ہیں۔ ایسے مریض طبیب کو بہت زچ کرتے ہیں: ''ڈاکٹر صاحب! آپ میری بیماری نہیں سمجھ پائے۔ ہزار مرتبہ دوا لی لیکن آرام نہیں آیا۔ آپ کو علاج کرنا نہیں آتا تو کلینک کھولے کیا کر رہے ہیں؟ دماغ خراب ہے اس شخص کا جو آپ کے کلینک میں آتا ہے۔''

غرض کہ طبیب کو ہر طرح کے مریضوں سے نمٹنا پڑتا ہے۔

چنانچہ طبیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کی صورتِ حال کا سامنا کرنے کو تیار رہے۔ علاج کے دوران میں صبر مندی کا مظاہرہ کرے اور تنگ نہ پڑے۔ بڑوں کی عزت کرے۔ بچوں پر شفقت کرے۔ طبیب انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ بھلائی ہی کرے۔

طبیب کے ہاتھ میں بھلائی کی کنجیاں

- طبیب کو چاہیے کہ مریض سے لطافت آمیز لہجے میں بات کرے۔ مریض کی دلجوئی کی خاطر اس سے گھر بار وغیرہ کے متعلق پوچھے۔
- مریض کے لواحقین سے اچھا برتاؤ کرے۔ ان کے بار بار سوال کرنے پر تنگ دل نہ ہو۔
- وارڈ میں معمول کے راؤنڈ پر عیادت کی نیت رکھے۔ یوں طبیب عیادت کے اجر وثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔
- مریض کو دیکھ کر مسکرائے کہ مسکراہٹ بھی صدقہ ہے۔
- مریض کو کوئی مشکل درپیش ہو تو نرمی سے اس کی رہنمائی کرے۔ مریض کو کسی قسم کی ضرورت ہو تو اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرے۔
- رات کی ڈیوٹی پر بھی اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھے۔
- بیماری کی تشخیص اور دوا تجویز کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے مریض کی حالت کو سمجھے۔
- مسلمانوں کی پردہ پوشی کرے۔
- مریض سے زیادہ باتیں نہ کرے۔ یوں دوسرے مریض جو انتظار میں بیٹھے ہیں، ان کا وقت ضائع ہوتا ہے۔

مریض کی نماز

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم چند دوستوں نے ایک فلاحی کمیٹی تشکیل دی جس کا مقصد تھا، مریضوں سے ملاقات، ان کی عیادت، دلجوئی اور ضرورت پڑنے پر ان کی مدد۔ ہماری تعداد کم تھی، اس لیے ہم نے ہسپتالوں کی فہرست مرتب کی اور طے کیا کہ یکے بعد دیگرے سب ہسپتالوں کا دورہ کیا جائے۔ ہم پہلے ہسپتال گئے جو پانچ سو بیڈوں پر مشتمل تھا۔ ہم نے مریضوں کو تحفے تحائف دیے، ان کی دلجوئی و غمخواری کی اور شرعی مسائل کے جواب دیے۔ مریضوں سے بات چیت پر معلوم ہوا کہ چالیس فیصد مریض نماز نہیں پڑھتے۔ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی عذر تھا۔ کسی نے سوچ رکھا تھا کہ صحت یابی پر سب نمازیں پڑھ لوں گا۔ کوئی کہتا تھا نماز کیسے پڑھوں جبکہ میرا رخ قبلہ کی طرف نہیں۔ کسی کا عذر تھا کہ میں وضو نہیں کرسکتا۔ کوئی کہتا تھا کہ میرے کپڑے پاک نہیں۔ نماز کیسے پڑھ سکتا ہوں۔

یہ افسوس ناک صورت حال باوجود اس امر کے قائم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے معاملے کو بہت آسان کردیا ہے اور شریعت نے ہر مشکل کا حل بتایا ہے۔ ہم سب کو جان لینا چاہیے کہ نماز مسلمان پر سے کبھی ساقط نہیں ہوتی۔ ہاں جو آدمی عقل کھو بیٹھے اور پاگل

ہو جائے یا جو کومے میں چلا جائے اس پر سے نماز ساقط ہے۔ ذیل میں مریض کی طہارت (وضو، غسل وغیرہ) اور نماز کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔

مریض کی طہارت (وضو، غسل) کے سلسلے میں چند باتیں حسبِ ذیل ہیں:

- سر درد یا داڑھ درد جیسا معمولی مرض ہو اور پانی کے استعمال سے خطرے کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو وضو ہی کرنا پڑے گا۔ معمولی بیماری میں تیمّم جائز نہیں۔
- پانی کے استعمال سے مرض بڑھتا ہو تو تیمّم جائز ہے۔
- تیمّم پاک مٹی سے کیا جائے گا۔ مریض خود تیمّم نہ کر سکے تو کوئی اور اسے تیمّم کرا دے۔ بدن، بستر یا کپڑے ناپاک ہوں تب بھی تیمّم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔
- پانی کے استعمال سے مرض بڑھتا ہو اور جنابت ہو جائے تو تیمّم ہی کافی ہے۔ بدن پر زخم یا پھوڑے ہوں یا ہڈی ٹوٹی ہو اور بدن کے تندرست حصے کو دھونا ممکن ہو تو زخم، پھوڑے یا ٹوٹی ہڈی کے لیے تیمّم کر کے باقی بدن کو دھونا ضروری ہے۔

- مریض ایسی جگہ ہو جہاں پانی یا مٹی دستیاب نہ ہو سکے تو دل میں طہارت کی نیت کر کے اسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ ایسی صورت حال میں بھی نماز کو مؤخر کرنا درست نہیں۔
- وہ مریض جسے سلسل البول کی بیماری ہو، یعنی پیشاب کے قطرے برابر آتے رہیں، یا بدن کے کسی حصے سے خون بہتا ہو یا ہوا خارج ہو جاتی ہو اور علاج سے بہتری نہ آئے تو اسے چاہیے کہ بدن یا کپڑے پر لگی ناپاکی کو دھوئے، ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے اور نماز پڑھے۔ نماز کے لیے الگ سے پاک کپڑا میسر ہو تو بہت اچھی بات ہے۔

اس صورت میں نجاست سے بچاؤ کا ایک اچھا طریقہ یہ بھی ہے کہ شرمگاہ پر لنگوٹ کی طرح کپڑا باندھ لیا جائے یا روئی رکھ لی جائے یا چڈی پہن لی جائے تاکہ نجاست کا اثر کپڑے یا بستر تک نہ پہنچے۔

- بدن کے کسی حصے پر پٹی بندھی ہو تو وضو یا غسل کرتے وقت اس پر مسح کر کے باقی حصے کو دھولیا جائے۔ پٹی پر مسح کرنا یا اس کے ساتھ والے حصے کو دھونا مضر ہو، بدن جلا ہوا ہو یا بدن پر زخم ہو جسے دھونا ممکن ہو، نہ اس پر مسح کرنا تو تیمّم کافی ہوگا۔

مریض نماز کیسے پڑھے؟

علمائے دین اس امر پر متفق ہیں کہ جو آدمی کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ بیٹھنے کی بھی کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں۔ جس طرح بیٹھنا آسان ہو بیٹھ

سکتا ہے۔ بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکے تو پہلو کے بل لیٹ، قبلہ رو ہوکر نماز پڑھے۔ دائیں پہلو پر لیٹنا زیادہ بہتر ہے۔ پہلو پر نہ لیٹ سکے تو چت لیٹ کر نماز پڑھے۔ ممکن ہوتو پاؤں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے۔

جو آدمی کھڑا ہونے کی سکت رکھتا ہو لیکن رکوع وسجدہ سے عاجز ہو اس پر سے قیام ساقط نہیں ہوتا۔ وہ کھڑا ہوکر نماز پڑھے گا اور رکوع کا اشارہ کرے گا (سر نہوڑا کر بدن کو ذرا سا آگے کی طرف جھکائے گا۔) سجدہ کرنا چاہے تو بیٹھ کر سجدے کا اشارہ کرے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ﴾

”اور اللہ کے لیے عاجزی کرتے ہوئے کھڑے ہوں۔“ [1]

فرمان نبوی ہے:

«صَلِّ قَائِمًا»

”کھڑے ہوکر نماز پڑھ۔“ [2]

مرض شدید ہو یا فالج کی شکایت ہو اور مریض سر سے بھی اشارہ نہ کر سکے تو دل میں رکوع وسجدہ کی نیت

کرے۔ خود قبلہ رو نہ ہو سکے یا کوئی قبلہ رو کرنے والا پاس نہ ہو تو جس طرف آسان ہو، منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ ایسی حالت میں قبلہ رو ہونا ضروری نہیں۔

جن مریضوں کا آپریشن ہوتا ہے وہ نماز پڑھنی چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یا تو کماحقہ نماز کی ادائیگی نہیں کر سکتے یا وضو کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، یا پھر کپڑے پلید ہوتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ نماز چھوڑنی جائز نہیں۔ حالت جیسی بھی ہو، نماز پڑھ لینی چاہیے۔

بعض مریض کہتے ہیں کہ شفا یابی کے بعد فوت شدہ نمازوں کی قضا ادا کر لیں گے۔ یہ بھی درست نہیں۔ نماز حتی الامکان وقت ہی پر پڑھنی چاہیے۔ ہاں! وقت پر نماز کی ادائیگی مشکل ہو تو ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہے۔ جمعِ تقدیم و جمعِ تاخیر دونوں جائز ہیں، یعنی عصر کی نماز کو مقدم کر کے ظہر کے ساتھ ملا لیں یا ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے عصر کے وقت ادا کر لیں، دونوں طرح درست ہے۔ یہی حال مغرب اور عشاء کی نمازوں کا ہے، البتہ فجر کی نماز کو کسی اور نماز کے ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا۔

[1] البقرة 2:238. [2] صحيح البخاري، حديث: 1117.

مریض اور روزہ

جس مریض پر روزہ شاق گزرے اسے روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾

''اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہوتو دوسرے دنوں سے گنتی (پوری کرنی) ہے۔''[1]

تاہم سر درد یا ہلکی کھانسی وغیرہ کی معمولی بیماری ہوتو روزہ توڑنا یا چھوڑ دینا جائز نہیں۔

- روزہ رکھنے سے مرض بڑھتا ہو یا شفایابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو اور دن میں دوا کی ضرورت پڑتی ہوتو روزہ چھوڑنا جائز ہی نہیں، ضروری ہے۔
- روزہ رکھنے سے بے ہوشی طاری ہوجاتی ہوتو روزہ نہیں رکھا جائے گا اور شفایاب ہونے پر قضا ادا کی جائے گی۔
- صبح روزہ رکھا۔ دن میں کسی وقت بے ہوشی طاری ہوئی۔ مغرب سے پہلے یا بعد میں ہوش آگیا۔ کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ درست ہے۔
- جس آدمی پر بے ہوشی طاری ہوئی یا طبیب نے کسی وجہ سے بے ہوشی کی دوا دے

دی۔ تین دن سے پہلے ہوش آ گیا تو سو رہنے والے پر قیاس کیا جائے گا اور قضا ادا کرنی ہوگی۔ تین دن سے پہلے ہوش نہیں آیا تو پاگل پر قیاس کرتے ہوئے قضا ادا نہیں کرنی پڑے گی۔[2]

* مریض کو شفایابی کی امید ہو لیکن روزہ شاق گزرتا ہو تو روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ شفایابی پر قضا ادا کرنی ہوگی۔
* مرض دائمی ہو اور شفایابی کی امید نہ رہے، مثلاً کینسر یا گردوں کی خرابی کا مرض ہو یا بڑا بوڑھا جو روزہ رکھنے اور قضا ادا کرنے سے قاصر ہو تو ایسا مریض اور ایسا بڑا بوڑھا ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا۔ کھانے کی مقدار علاقے کی عام خوراک (گندم، چاول وغیرہ) سے نصف صاع کے برابر ہونی چاہیے۔ نصف صاع کا مطلب ہے تقریباً ڈیڑھ کلو (گندم یا چاول۔)
* ایک مریض جس نے رمضان کے چند روزے چھوڑ دیے تھے، شفایابی کا منتظر رہا کہ قضا کی ادائیگی کرے گا۔ بعد میں پتا چلا کہ مرض تو دائمی ہے اور وہ قضا کی ادائیگی کبھی نہیں کر سکے گا۔ ایسے مریض پر واجب ہے کہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔
* جو مریض شفایابی کا منتظر تھا اور مرض بھی ایسا تھا کہ شفایابی متوقع تھی

لیکن قضا کی ادائیگی سے پیشتر ہی وفات پا گیا، ایسا مریض بریُ الذمہ ہے۔ اس کے یا اس کے لواحقین کے ذمے کوئی روزہ واجب الادا نہیں۔ مثال کے طور پر پچیس رمضان کو مریض کا آپریشن ہوا۔ شفایابی پر ادائیگی قضا کی نیت سے روزہ چھوڑ دیا۔ تیس رمضان کو مریض جاں بحق ہو گیا۔ اب اس کے لواحقین پر نہ تو قضا واجب ہے اور نہ بدلے میں مسکین کو کھانا کھلانا۔

- ایک مریض جس سے رمضان کے چند روزے چھوٹے تھے، شفایاب ہوا۔ قضا ادا کرنے کی ہمت آ گئی لیکن آج کل کرتا رہا۔ بعد ازاں قضا ادا کیے بغیر وفات پا گیا۔ ایسے مریض کے ترکے سے ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا۔ کوئی قریبی اس کی طرف سے روزے رکھ لے تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اس حالت میں وفات پا گیا کہ اس کے ذمے روزے تھے، اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے گا۔''[3] مثال کے طور پر پچیس رمضان کو مریض کا آپریشن ہوا۔ شفایابی پر ادائیگی قضا کی نیت سے روزہ چھوڑ دیا۔ تیس رمضان کو شفایاب ہوا لیکن سستی کا شکار ہو کر قضا ادا نہیں کی۔ حج کے مہینے میں وفات پا گیا۔ اب اس کے لواحقین پر فرض ہے کہ یا تو قضا کی

ادائیگی کریں یا مسکین کو کھانا کھلائیں۔

❀ ایک مریض کا مرض دائمی یا لا علاج سمجھا گیا۔ اس نے روزے چھوڑے۔ ادائیگیِ قضا کی تو سکت نہیں تھی، روزوں کے بدلے مساکین کو کھانا کھلا دیا۔ طب نے ترقی کی اور مرض کا علاج دریافت ہوا۔ مریض نے علاج کرایا اور شفا پا گیا۔ اس کے ذمے کچھ بھی واجب الادا نہیں، اس لیے کہ واجب کو وہ اپنے وقت پر ادا کر چکا (فتاویٰ کمیٹی، سعودی عرب۔)

❀ ایک آدمی کو اتنی بھوک اور پیاس لگی کہ ہلاکت کا خدشہ ہوا تو وہ روزہ توڑ دے گا اور بعد میں قضا ادا کرے گا۔ وجہ یہ ہے کہ جان بچانی فرض ہے۔ ہاں بھوک پیاس کی شدت قابلِ برداشت ہے یا محض تھکاوٹ ہے یا بیماری کا وہم ہے تو روزہ توڑنا جائز نہیں۔

❀ کھانا کھلانے کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یا تو مہینے کے اختتام پر تیس مساکین کو اکٹھا کھانا کھلا دے یا ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

[1] البقرة 2:185. [2] یہ امام عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے۔ [3] صحيح البخاري، حديث: 1952.

مریض کے 'رفیق' کے لیے چند باتیں

مریض جب ہسپتال میں داخل ہوتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی قریبی یا دوست ہمہ وقت مریض کے پاس رہتا اور اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ ایسے آدمی کو ہم یہاں 'رفیق' کے لقب سے یاد کریں گے۔ رفیق کا ہمہ وقت مریض کے پاس رہنا اور تیمار داری کرنا بڑے اجر وثواب کا عمل ہے۔ جو آدمی محض چند لمحے مریض کی عیادت کے لیے آتا ہے، حدیث میں تو اس کے لیے بھی بڑے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ تو جو آدمی ہمہ وقت مریض کی عیادت کرتا رہے، اس کا اجر وثواب کتنا ہوگا!

لیکن بعض رفیق ان نیکیوں پر اپنی خطاؤں کا پانی پھیر دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ رفیق ہسپتال میں عام طور پر فارغ رہتا ہے۔ یوں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رفیق ہسپتال میں فارغ وقت کیسے گزارے۔

مریض ہسپتال میں ہو تو رفیق کو چاہیے کہ فارغ وقت میں مریض پر قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہے۔ فارغ وقت کا یہ بہت اچھا مصرف ہے۔ قرآن مجید یقیناً شفا ہے۔ مریض پر قرآن مجید پڑھ کر پھونکنے کی بڑی تاثیر ہے اور یہ آزمودہ عمل ہے۔ ذیل کا واقعہ پڑھیے اور اندازہ کیجیے کہ قرآن مجید بیماری کی شفا کے سلسلے میں کیا

کردار ادا کرتا ہے۔

فوجی ہسپتال میں

الشیخ عبدالعزیز نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا:

''عبداللہ صالح نوجوان ہے۔ میری اس سے اچھی خاصی واقفیت ہے۔ میں جانتا تھا کہ عبداللہ کے والد دل کے مریض ہیں اور ان کے چند آپریشن بھی ہو چکے ہیں۔ اس بار بھی عبداللہ کے والد کو دل کا دورہ پڑا تو انھیں فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا۔ ہسپتال کے عملے نے انھیں انتہائی نگہداشت وارڈ میں داخل کرلیا۔

مرض نے شدت اختیار کی اور عبداللہ کے والد پر مکمل بے ہوشی طاری ہوگئی۔ عبداللہ نے مجھے فون کیا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔

''مولانا! کیا آپ میرے والد کو دیکھنے آسکتے ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کو قرآن کا دم کردیں۔''

میں فی الفور ہسپتال پہنچا۔ عبداللہ کے والد مکمل بے ہوشی کے عالم میں بستر پر پڑے تھے۔ بدن پر کئی آلات لگے ہوئے تھے۔ قریب ہی ایک کمپوڈر کرسی پر بیٹھا آلات کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں مریض کے سرھانے کھڑا ہوگیا اور انھیں مخاطب کیا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اب میں نے قدرے بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی۔ یکا یک مریض کے بدن میں حرکت ہوئی۔ بدن پر لگے ایک آلے نے بولنا شروع کردیا۔ کمپوڈر گھبرا کر اٹھا، اس کے لیول میں تبدیلی کی اور بیٹھ گیا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ دوسرا آلہ بول اٹھا۔ کمپوڈر نے اس کا لیول بھی تبدیل کیا۔ معاً تیسرے آلے
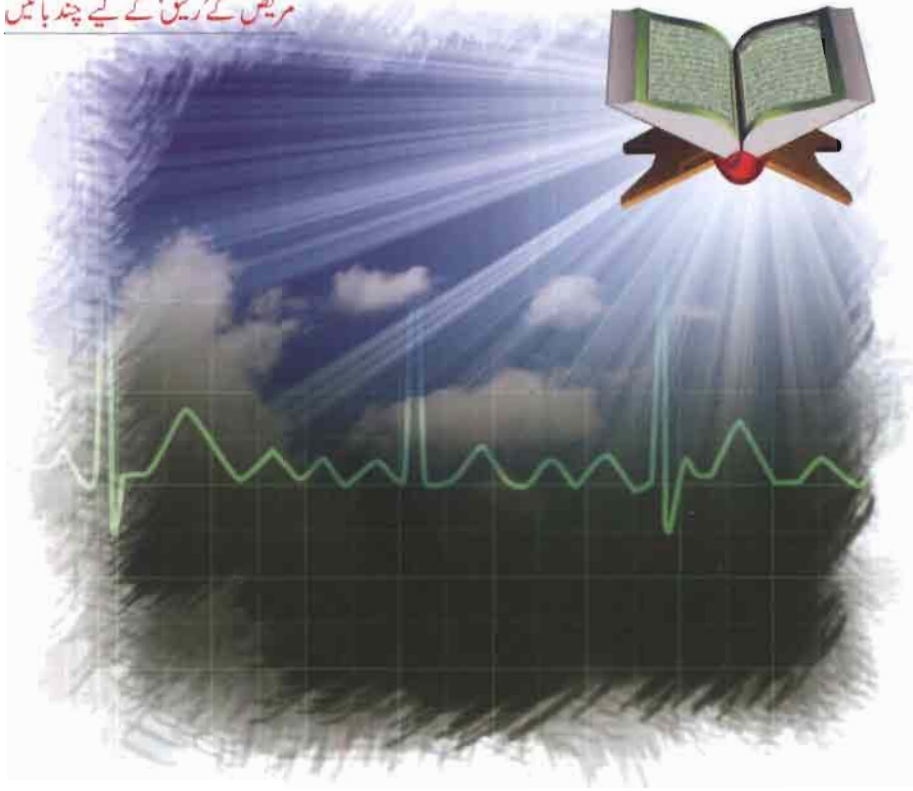
شور مچا دیا۔ اب کمپوڈر تھا اور وہ آلات تھے۔ ایک کو درست کرتا تو دوسرا چیخ اٹھتا۔ دوسرا خاموش ہوتا تو تیسرا ٹوں ٹوں کرنے لگتا۔ میں نے تلاوت جاری رکھی۔

کمپوڈر حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔ تلاوت نصف گھنٹا جاری رہی۔ اختتام پر میں نے مریض کے لیے دعا کی اور پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ عبداللہ میری طرف آیا اور شکریہ ادا کیا۔

میں نے کہا: ''عبداللہ! میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔ یہ آلات کیوں شور مچا رہے تھے اور کمپوڈر کیوں حیران تھا؟''

عبداللہ نے جواب دیا: ''مولانا! بڑی عجیب بات ہوئی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ

والد دل کے پرانے مریض ہیں اور چند آپریشن بھی کرا چکے ہیں۔ دو روز قبل جو آپریشن ہوا، اس کے دوران میں خون کا دورانیہ اچانک معطل ہو گیا۔ طبیب کو اس کی توقع نہیں تھی۔ اس نے آپریشن سے پہلے خون پمپ کرنے کا برقی آلہ لگانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اب جبکہ یہ صورتِ حال پیش آئی تو طبیب نے ہاتھ سے چلنے والا پمپ لگایا اور کمپوڈر سے کہا کہ اسے حرکت میں لائے۔ طبیب کا یہ رویہ انتہائی غیر سنجیدگی پر مبنی تھا۔ خون پچاس منٹ تک شریانوں میں رکا رہا۔ قریب تھا کہ والد جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا۔ آپریشن اختتام کو پہنچا تو والد کو کمرۂ خاص میں منتقل کیا گیا۔ خون کا دباؤ کم ہو کر چالیس پر آ چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے خون کا دباؤ بلند کرنے کی سر توڑ کوشش کی لیکن بے سود۔ آخر بڑے طبیب نے کہا کہ خون کا دباؤ بڑھانے کے لیے ورید میں کیمیائی دوا کا ٹیکا لگا دیا جائے۔ یہ دوا بڑی ہائی پوٹینسی کی ہوتی ہے۔ بارہ پوائنٹ سے زائد مریض کے جسم میں داخل نہیں کی جا سکتی۔ بارہ پوائنٹ تک وہ کیمیائی دوا والد کے جسم میں انڈیلی گئی لیکن حالت نہیں سنبھلی۔ دوا کی مقدار تیرہ، چودہ، پندرہ، یہاں تک کہ سولہ پوائنٹ تک بڑھا دی گئی۔ فشارِ خون (Blood Pressure) سٹر سٹھ تک بلند ہوا تو ڈاکٹروں نے ہاتھ روک لیا۔ فشارِ خون ابھی بہت کم تھا۔ مایوس ہو کر والد کو یہاں لایا گیا اور کمپوڈر کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ جونھی آپ نے قرآن مجید کی تلاوت کا آغاز کیا، فشارِ خون بلند ہونا شروع ہو گیا۔ ارسٹھ، اُنھتر، ستر، آلات چیخ اٹھے۔ کمپوڈر اٹھا اور کیمیائی دوا کی مقدار گھٹا دی۔ خون کا دباؤ بڑھتا رہا۔ پچھتر، اسی، نوے اور ایک سو اکیس پر آ کر ٹھہر گیا جو معمول کا دباؤ ہوتا ہے۔ کمپوڈر اسی وجہ سے حیران ہو رہا تھا۔ پاک ہے وہ ذات جس
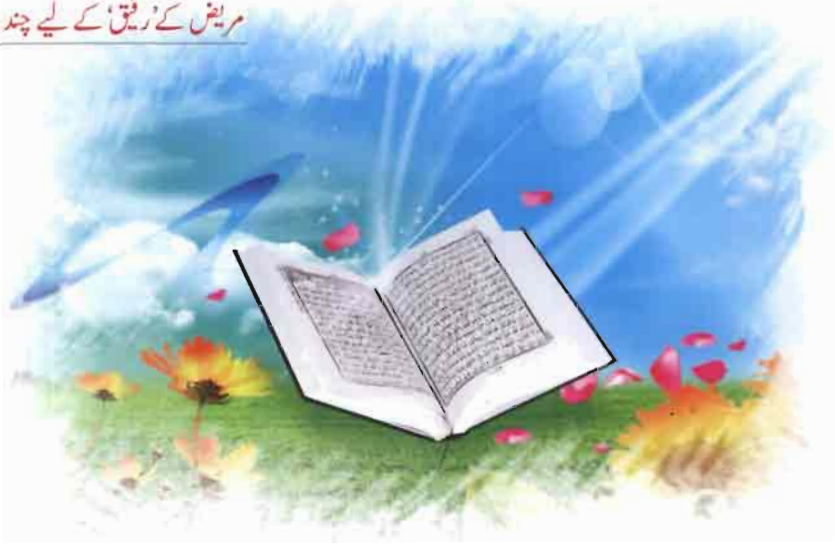
نے قرآن مجید کو نازل کیا اور فرمایا:

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے۔'' [1]

رفیق کو چاہیے کہ مریض کو سات بار سورۂ فاتحہ کا دم کرے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب سفر پر تھے۔ راستے میں عرب کے ایک قبیلے سے گزر ہوا۔ قبیلے کے لوگوں سے کھانا طلب کیا۔ انھوں نے کھانا نہیں دیا۔ صحابۂ کرام نے راستے سے ذرا ہٹ کر پڑاؤ کیا۔ قبیلے کے سردار کو موذی کیڑے نے ڈس لیا۔ ایک آدمی بھاگا بھاگا آیا اور پوچھا: ''کیا تم میں کوئی دم کرنا جانتا ہے؟ سردار کو موذی کیڑے نے ڈس لیا ہے۔''

ایک صحابی بولے: ''ہاں۔'' سردار کے پاس گئے اور سورۂ فاتحہ کا دم کیا۔ سردار اچھا ہوگیا۔ بکریوں کا ایک ریوڑ انعام میں دیا۔ صحابی نے قبول نہ کیا اور کہا: ''پہلے میں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔'' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا: ''آپ کو کس نے بتایا کہ سورۂ فاتحہ بھی دم ہے؟'' پھر فرمایا: ''بکریوں کا ریوڑ لے لیجیے اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھیے۔'' [2]

سورۂ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو سات سات بار پڑھ کر پھونکنا چاہیے۔

سات ہی بار یہ دعا کرنی چاہیے:

«أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، أَنْ يَشْفِيَكَ. بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ، أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللّٰهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ.»

''میں عظیم اللہ، عرشِ عظیم کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا دے۔ اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتا ہوں، ہر اس شے سے جو تجھے اذیت دیتی ہے، ہر نفس کے شر سے اور ہر حاسد آنکھ سے۔ اللہ تجھے شفا دے اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتا ہوں۔'' [3]

یہ دعا بھی بڑی مؤثر ہے:

«أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا

شِفَاءُ كَ، شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا»

''اے لوگوں کے رب! تکلیف دور کر دے۔ شفا دے کہ تو ہی شافی ہے۔ شفا تو تیری ہی ہے۔ ایسی شفا (عطا فرما) جو کوئی بیماری نہ چھوڑے۔'' [4]

حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی ایسے مریض کی عیادت کے لیے گیا جس کا آخری وقت نہیں آیا اور اس کے پاس سات بار یہ دعا کی:

«أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ»

''میں عظیم اللہ، عرشِ عظیم کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا دے۔''

اللہ مریض کو ضرور شفا دے دیتا ہے۔ [5]

رفیق کو چاہیے کہ فارغ وقت میں:

- قرآن مجید کی تلاوت یا اچھی کتابوں کا مطالعہ کرے۔
- رفیق، مرد ہو یا عورت، چھیڑ خوانی اور عشق بازی سے پرہیز کرے۔ جی ہاں! فارغ وقت بہت ہوتا ہے۔ رفیق ہسپتال کی گزرگاہوں میں چھیڑ خوانی کرتا اور عشق لڑاتا ہے یا فون پر فضول گفتگو میں مصروف رہتا ہے۔ یاد رکھیے، شیطان ابھی مرا نہیں۔

رفیق سے ایک بات یہ بھی کہنی ہے کہ وہ بہادر بنے اور مریض کو تکلیف میں دیکھ کر چیخ پکار سے اجتناب کرے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ رفیق ذرا ذرا سی بات پر منہ پھاڑ کر رونے لگتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ رفیق کا کام تو یہ ہے کہ خود بھی صبر کرے اور مریض کو بھی تسلی دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: ''تم نے میرے بندے کا بچہ لے لیا۔ تم نے اس کے جگر کا ٹکڑا قبض کر لیا؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں: ''جی ہاں۔''

اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''تو میرے بندے نے کیا کہا؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں: ''اس نے تیری حمد بیان کی اور انا للہ پڑھا۔'' اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جنت میں میرے بندے کا ایک گھر بناؤ اور اس کا نام 'بیت الحمد' رکھو۔''[5]

ڈاکٹر عبداللہ نے بتایا: ''ایک خاتون جو چالیس کے پیٹے میں تھی، اپنے ڈھائی سالہ بچے کو لیے ہسپتال آئی۔ بچے کا چیک اپ کیا گیا۔ دل کی شریانوں میں پرابلم تھا۔ ہم نے آپریشن کر دیا۔ بچہ تندرست ہو گیا۔ خاتون بہت خوش ہوئی۔ جب بھی مجھے دیکھتی، پوچھتی: ''ڈاکٹر صاحب! چھٹی کب ملے گی؟'' میں بچے کو چھٹی دینے والا تھا کہ ایک مشکل نے سر اٹھایا۔ سانس کی نالی سے بھل بھل خون بہنے لگا۔ دل پینتالیس منٹ تک خاموش رہا۔ تمام طبیب کمرے میں آ گئے۔ کئی گھنٹے کی جدوجہد کے بعد بھی بچے کو ہوش نہ آیا تو میرا ایک ساتھی ڈاکٹر بچے کی ماں سے کہنے لگا: ''ہوسکتا ہے آپ کا بچہ دماغی طور پر مر چکا ہو۔ اب اس کے بچنے کی امید نہیں رہی۔''
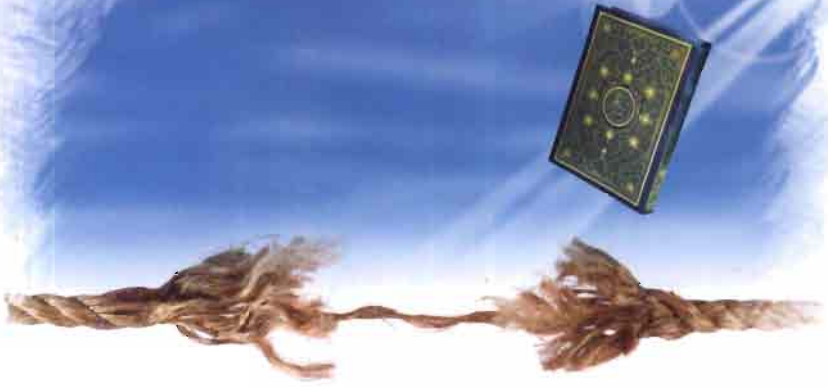
میں نے ملامت بھری نظروں سے ساتھی ڈاکٹر کو دیکھا، پھر خاتون کی طرف متوجہ ہوا۔ خاتون نے بس اتنا کہا: ''اللہ ہی شفا اور عافیت دینے والا ہے۔ اللہ سے دعا کروں گی کہ اگر شفا میں بہتری ہے تو شفا دے دے۔'' وہ خاموشی سے جا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ نیلا حمائل شریف نکالا اور پڑھنے لگی۔ طبیب کمرے سے نکل گئے۔ میں بھی باہر آ گیا۔ بچے کی حالت جوں کی توں تھی۔ خاتون ہر وقت تلاوت میں مگن رہتی تھی۔ وقتاً فوقتاً بچے کے قریب آ کر دم بھی کر دیتی۔ چند دن گزر ے۔ ایک نرس نے مجھے بتایا کہ بچہ حرکت کرنے لگا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خاتون کو مبارکباد دی۔ خاتون نے آنسوؤں کی جھلمل میں بس اتنا کہا: ''الحمد للہ، الحمد للہ۔''

چوبیس گھنٹے بعد بچے کی ایک اور رگ پھوٹ بہی۔ دل کی حرکت ایک بار پھر بند ہو گئی۔ بڑے ڈاکٹر صاحب بچے کا معائنہ کرنے کمرے میں آئے۔ خاتون نے سنا وہ کہہ رہے تھے: ''دماغ کی موت۔'' خاتون نے کہا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ» (ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔) میرا رب ہی شفا دینے والا ہے۔''

ہی گھنٹے گزرے تھے کہ دل کے اندر سے خون بہنے لگا۔ وہی ڈھاک کے تین پات۔ چند روز بعد بچے کو ہوش آیا لیکن ایک نئی رگ پھوٹ پڑی۔ بڑی عجیب بات تھی۔ زندگی بھر ایسے کیس سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ دل کے آس پاس مختلف جگہوں سے سات بار خون بہا۔ خاتون کی زبان پر وہی الفاظ تھے: ''الحمد للہ میرا رب ہی شفا دینے والا ہے۔ وہی عافیت دینے والا ہے۔''

چھ ہفتوں کی مسلسل تگ و دو کے بعد ہوا کی نالی کے ڈاکٹروں نے پھوٹ بہنے والی رگ پر قابو پا لیا۔ بچہ حرکت کرنے لگا۔ لیکن یہ کیا! دماغ میں اتنا بڑا ورم! میں نے خود بچے کا معائنہ کیا اور خاتون سے کہا: ''آپ کے بیٹے کی حالت بہت نازک ہے۔'' اس نے جواب میں اللہ شافی کہا اور کرسی پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگی۔

دو ہفتے کے بعد ورم بھی دور ہو گیا۔ دو روز تک بچہ بہتر حالت میں رہا۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ خاتون کا خیال تھا کہ اب انھیں چلے جانا چاہیے۔ لیکن تیسرے ہی دن بچے کے گردوں میں شدید سوزش ہو گئی۔ گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ علاج شروع ہوا۔ تین مہینے کی کاوش کے بعد اللہ کا شکر ہے کہ گردے ٹھیک ہو گئے۔ لیکن ابھی کہانی کا اختتام نہیں ہوا تھا۔ اب کے جو مسئلہ سامنے آیا، زندگی بھر اس سے پالا نہیں پڑا تھا۔

دل کو جس شفاف پردے نے گھیر رکھا ہوتا ہے، اس میں ورم آ گیا۔ مجبوراً سینے کو کھلا رکھنا پڑا تا کہ پیپ خارج ہوتی رہے۔خاتون کے صبر و ثبات میں کمی نہ آئی۔ وہ قرآن مجید پڑھ پڑھ کر بچے کو دم کرتی اور یہی کہتی: ''اللہ ہی شافی ہے۔ عافیت اسی کے ہاتھ میں ہے۔''

دوسرے وارڈوں میں جاتا تو مریض ہی کیا، مریضوں کے رفیق بھی واویلا کرتے نظر آتے۔ ڈاکٹروں کے پیچھے مارے مارے پھرتے۔ لیکن یہ خاتون کرسی پر بیٹھی تلاوت کلام پاک میں مشغول تھی۔ نہ کسی پکار پر کان دھرتی، نہ ڈاکٹروں کو بلاتی۔ مجھے تو وہ ہمت کا پہاڑ معلوم ہوتی تھی۔

بچے کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سینہ کھلا تھا۔ پیپ بہتی تھی۔ ہم نے سمجھ لیا کہ بچے کی چند ہی سانسیں باقی ہیں۔ خاتون کی تلاوت جاری تھی۔ کسی سے بات نہ کرتی۔ نہ کچھ پوچھتی بلکہ اس کا چالیس سالہ خاوند مجھ سے بچے کے متعلق پوچھنا چاہتا تو اسے بھی ہاتھ بڑھا کر روک دیتی۔ خاوند کا حوصلہ بڑھاتی اور کہتی کہ اللہ ہی شفا دینے والا ہے۔

آٹھ مہینے گزر گئے۔ بچے کی حالت قدرے نارمل ہوئی۔ ہم نے اسے چلڈرن وارڈ میں منتقل کر دیا۔ وہاں طبیعت میں مزید بہتری آ گئی۔ طبیب بڑے انہماک سے

بچے کا علاج کرتے رہے۔ آخر بچہ چہکتا لہکتا قدموں پر چل کر گھر گیا۔

سال یا ڈیڑھ سال بعد ایک روز میں اپنے کلینک پر بیٹھا تھا کہ وہی خاتون اپنے شوہر کے ہمراہ کلینک میں داخل ہوئی۔ ایک صحت مند شیر خوار بچہ اس کے ہاتھوں میں تھا۔ دونوں میاں بیوی میرے ایک ساتھی ڈاکٹر کے پاس بچے کا طبی معائنہ کرانے آئے تھے جو معمولی نوعیت کا تھا۔ میرے کلینک سے گزرے تو سلام کرنے آگئے۔

میں نے میاں صاحب سے پوچھا: ''ماشاء اللہ! اس شیر خوار کا نمبر چھٹا ہے یا ساتواں؟''

کہنے لگے: ''یہ دوسرا ہے۔ پہلا وہ ہے جس کا آپ نے پچھلے برس علاج کیا تھا۔ وہ شادی کے سترہ سال بعد پیدا ہوا تھا۔''

سبحان اللہ! ایسا صبر وثبات بھی اللہ تعالیٰ کسی کسی کو نصیب کرتا ہے۔

---

[1] بنی اسرآء یل 82:17. [2] صحیح البخاري، حدیث: 2276، و صحیح مسلم، حدیث: 2201. [3] صحیح مسلم، حدیث: 2186، وسنن أبي داود، حدیث: 3106. [4] صحیح البخاري، حدیث: 5750، و صحیح مسلم، حدیث: 2191. [5] سنن أبي داود، حدیث: 3106. [6] جامع الترمذي، حدیث: 1021.

بیمار پرسی کے آداب

ادب کی کتابوں میں کہیں پڑھا ہے کہ ایک باتونی کسی مریض کی بیمار پرسی کو گیا۔ بیٹھتے ہی کہنے لگا: ''ارے! تمھارا چہرہ تو پیلا پڑ رہا ہے۔''

مریض نے جواب دیا: ''ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔''

''بہت کمزور دکھائی دیتے ہو۔'' اس نے کہا۔

''کوئی بات نہیں، اللہ مدد کرنے والا ہے۔'' مریض نے کہا۔

''بیماری نے تو تمھارے چھکے چھڑا دیے ہیں۔ کب سے ہے یہ عارضہ؟'' گراں بار آدمی نے دریافت کیا۔

''چند روز ہوئے ہیں۔'' مریض نے جواباً کہا۔

''کیا بیماری ہے تمھیں؟''

''معمولی بیماری ہے۔ ان شاء اللہ چند روز میں اچھا ہو جاؤں گا۔''

''ارے بھئی! بیماری کا کوئی نام تو ہو گا۔ چلو نہ بتاؤ۔ پر یہ تو بتاؤ خیریت سے تو ہو؟''

اس آدمی نے پوچھا۔

''آپ کے قدم رنجہ فرمانے سے پہلے تو خیریت ہی سے تھا۔ اب کی خبر نہیں۔'' مریض نے نرمی سے کہا۔

''اچھا تو ہم چلتے ہیں۔ کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔''

''ہاں، ایک ضرورت ہے۔ آپ چلے جائیں تو دوبارہ آنے کی زحمت مت فرمایئے گا۔'' مریض نے ضرورت بیان کی۔

اکثر مریض بیچارے زبان حال سے یہی دہائی دیتے نظر آتے ہیں۔ بعض بیمار پرُس تو بیٹھتے ہی سوالوں اور مفت مشوروں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ جیسے بیمار پرسی نہیں، علاج کرنے آئے ہوں۔ بیمار پرسی کے لیے آنے والوں کو درج ذیل باتوں پر عمل کرنا چاہیے۔

- ملاقات کے عام آداب کا لحاظ کیجیے، یعنی نرمی سے دروازے پر دستک دیں۔ درست طریقے سے اپنا نام بتائیں۔ نظر نیچی رکھیں۔
- مناسب وقت پر بیمار پرسی کے لیے آیئے۔
- مریض کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لایئے۔ مفید کتاب، مٹھائی یا پھل ہوں تو بہت بہتر ہے۔ تحفے میں پھولوں کا گلدستہ لانے کی رسم بالکل فضول ہے۔ مریض کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ کسی ماہر نے لکھا تھا کہ قدیم یونان میں مریض کے لیے پھولوں کا گلدستہ لانے کا رواج تھا۔ وہ پھولوں کو رحمت کے دیوتا کی علامت سمجھتے تھے۔ آج بھی عیسائیوں میں یہ رسم جاری ہے۔
- نرم خوئی اختیار کیجیے۔ نہایت نرمی سے مریض کی حالت دریافت کیجیے۔ زیادہ

سوال جواب کر کے مریض کو پریشان مت کیجیے۔

- زیادہ دیر مت بیٹھیے تاکہ مریض کو اکتاہٹ نہ ہو۔
- ایسی بات کیجیے جس سے مریض کو خوشی ہو۔ مریض کو بیماری کے فضائل سے آگاہ کیجیے۔
- مریض کے لیے شفا کی دعا کیجیے۔

آپریشن سے پہلے

آپریشن سے پہلے مریض کو حسبِ ذیل باتوں پر عمل کرنا چاہیے:

- اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیے۔ شفا کی دعا کیجیے۔ صبر کی توفیق مانگیے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجیے۔
- بہادر بننے کی کوشش کیجیے۔ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیے۔ بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔
- وصیت لکھ رکھیے۔ ڈریے مت۔ وصیت لکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ خدانخواستہ وفات پا رہے ہیں۔ علمائے دین نے بیان کیا ہے کہ ہر آدمی کے لیے وصیت لکھ رکھنی ضروری ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کے پاس وصیت کی کوئی شے ہو تو اسے حق حاصل نہیں کہ دو راتیں بھی بغیر وصیت کے گزارے۔ وصیت اس کے سرہانے لکھی پڑی ہونی چاہیے۔''[1]

چنانچہ کاغذ قلم لیجیے اور لکھیے:

''فلاں کے ذمے میرا اتنا قرض ہے۔ میرے ذمے فلاں کی اتنی رقم ہے۔ فلاں شے میری نہیں، فلاں کی ہے۔ گھر کے بارے میں، میں یہ وصیت کرتا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔''

 صحیح مسلم، حدیث: 1627.

غنیمت بے مشقت

ایک عبادت جس میں اللہ کے رسول ﷺ ہر وقت مشغول رہا کرتے تھے، نماز، روزے، زکاۃ اور حج کے بعد جس کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ وہ عبادت ہے:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر۔''

قرآن مجید نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا:

﴿ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾

''جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (لیٹے ہوئے) کرتے ہیں۔'' [1]

ذکر الٰہی کے لیے نہ تو طہارت کی ضرورت ہے، نہ ستر چھپانے کی، نہ قبلہ رو ہونے کی اور نہ قیام کی۔ بلکہ جب چاہے جس طرح چاہے یہ عبادت کی جا سکتی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ روزانہ بارہ ہزار مرتبہ تسبیح کیا کرتے تھے۔ [2] فرمایا کرتے تھے: ''تسبیح کے ذریعے سے میں اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی سعی کرتا ہوں۔''

مریض کے لیے افضل ترین ذکر

* دعا: حدیث میں آیا ہے کہ مریض کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

* استغفار: حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی اپنے لیے استغفار کو لازم کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی دور کرتا ہے۔ اور ایسے طریقے سے رزق عطا کرتا ہے کہ آدمی کے سان گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ استغفار رزق کی کنجی ہے۔ استغفار سے مال میں برکت آتی ہے۔ استغفار سے مریض کو شفا ملتی ہے۔

* تسبیح (سُبْحَانَ اللهِ) اور تہلیل (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ) کا ورد: حدیث میں اللہ کے ذکر کو سب سے بہتر عمل قرار دیا گیا ہے۔

آل عمران 3:191. سير أعلام النبلاء: 610. أخبار مكة للفاكهي، حديث: 909.
سنن أبي داود، حديث: 1518. مسند أحمد: 239/5، والمعجم الكبير للطبراني: 166/20.

مریض اور گناہ

ایک روز میں ایک مریض کی بیمار پرسی کو گیا۔ مرض خطرناک تھا اور زہر پورے جسم میں سرایت کر چکا تھا۔ مریض کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ مریض کے ایک قریبی نے مجھے بتایا کہ طبیب نے اس کے کان میں آہستہ سے کہا ہے کہ مریض زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا۔ میں اطمینان سے چلتا ہوا مریض کے کمرے تک پہنچا۔ توقع تھی کہ تلاوت قرآن کی آواز میرا استقبال کرے گی اور مریض جائے نماز بچھائے اللہ کی جناب میں سربسجود اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہوگا۔ میں نے نرمی سے دروازے پر دستک دی۔ اجازت ملنے پر اندر داخل ہوا۔ کمرہ کیا تھا، قبر تھی۔ آئینے پر کپڑا ڈال کر اسے ڈھانپ دیا گیا تھا تاکہ مریض جس کے سر اور چہرے کے بال گر چکے تھے،

کہیں اپنی ہی شکل دیکھ کر گھبرا نہ جائے۔ مریض کو اس کے دوستوں نے گھیر رکھا تھا۔ ان کے نزدیک مریض کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ اسے ہنسایا جائے اور اتنا ہنسایا جائے کہ وہ اپنی بیماری کو فراموش کر دے۔ مریض ان کی باتوں پر واقعی ہنس رہا تھا یا ہنسنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ وہ بھول چکا تھا کہ اس کا صحیفۂ اعمال لحظہ بہ لحظہ لپیٹا جا رہا ہے۔ جسم کے بڑے حصے نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور کسی بھی لمحے اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

میں بیٹھا تو ایک صاحب اٹھے، ٹیلی ویژن کی طرف بڑھے اور گانوں کی آواز آہستہ کر دی۔ معاً مجھے احساس ہوا کہ میری موجودگی ان لوگوں کو ناگوار گزر رہی ہے اور میں نے گویا ان کی تفریح کا مزہ کرکرا کر دیا ہے۔

کمرے میں جابجا فحش میگزین اور اخبارات بکھرے پڑے تھے۔ مریض کے دوستوں نے بڑی کوشش کی کہ میں بھی ان کے ہنسی کھیل میں شریک ہوؤں۔ ان کے ہنسی کھیل میں شریک ہونا تو میرے لیے ممکن نہیں تھا، تاہم ان کا دل رکھنے کو مسکراتا رہا۔ وہ لوگ لطیفے سناتے، ایک دوسرے پر طنز اور آپس میں ہنسی مذاق کرتے تاکہ مریض ہنسے اور خوش ہو۔

مجھے اس ماحول سے وحشت ہونے لگی۔ میں نے اجازت لی اور کمرے سے باہر آ گیا۔ ہسپتال کی گزر گاہ میں قدم قدم چلتا بیرونی دروازے تک پہنچا تو دل نے ملامت کی: ''تمھارا مریض کو یوں نصیحت کیے بغیر چلے آنا درست نہیں۔ شاید یہ تمھاری اس سے آخری ملاقات ہو۔'' اور واقعی وہ ہماری آخری ملاقات ہی تھی۔

یہ خیال آتے ہی میں لوٹا۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر داخل ہوا اور مریض کے دوستوں سے التجا کی کہ وہ مجھے اور مریض کو کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں۔ وہ نکل گئے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب کمرے میں میرے اور یاسر کے سوا کوئی نہیں تھا۔ یاسر میری طرف دیکھنے لگا۔ شاید اسے اندازہ تھا کہ میں کیا کہوں گا۔ پھر بھی میں نے صاف صاف کہا: ''یاسر! لگی لپٹی کا وقت نہیں رہا۔ تم جانتے ہو کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ اسی لیے میں اپنی مصروفیات ترک کر کے تمھیں دیکھنے آیا ہوں۔ تمھاری بیماری کے متعلق سن کر بہت صدمہ ہوا تھا۔ تم نہیں جانتے کہ مجھے تمھارا کتنا غم ہے۔ میں تو تمھاری حالت پر خون کے آنسو رو رہا ہوں۔''

یاسر نے سر جھکایا اور رونے لگا۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو تیر رہے تھے۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ''یاسر! مجھے توقع تھی کہ تمھیں مصلے پر بیٹھا دیکھوں گا یا تم قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو گے۔ لیکن یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ تمھیں تو جیسے کوئی فکر ہی نہیں، جیسے ہمیشہ اس دنیا میں رہو گے۔ یاسر! ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ تمھاری زندگی کے دن شاید تھوڑے ہی رہ گئے ہیں۔ نہیں معلوم آئندہ جمعہ کی نماز تم ہمارے ساتھ پڑھو گے یا ہم تمھاری نماز پڑھیں گے۔'' یاسر زارو قطار رونے لگا۔

میں نے کہا: ''یاسر! جس آدمی کا صحیفۂ اعمال لپیٹا جا رہا ہو اور زندگی کے دن گنے

جا چکے ہوں اور کون جانے کہ ہم دونوں کا معاملہ یہی ہو لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس آدمی کی حالت یہ ہو، اسے تو جہاں تک ہو سکے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔

یاسر! تم تو اچھے بھلے تھے۔ یہ تمھیں کیا ہوا۔ تم نے کبھی اللہ تعالیٰ کو یوں فراموش نہیں کیا تھا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ کی اشد ضرورت ہے تو تم اس سے دور بھاگ رہے ہو۔''

یاسر برابر روتا رہا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ زندگی کی ان بے حد نازک گھڑیوں میں اس کا دل موم ہو اور وہ بے فائدہ باتیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنی نجات کا سامان کر لے۔ میں اپنا فرض ادا کر کے چلا آیا، پھر تین ہی دن گزرے تھے کہ ہم نے یاسر کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

اللہ تعالیٰ یاسر پر رحم کرے اور اس کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

مریضوں کی بھی کئی قسمیں ہیں

میں رمضان کے مہینے میں وہاں گیا۔ شدید سردی تھی۔ ہم اسلامک سنٹر کے تہ خانے میں جمع ہوجاتے اور نمازِ تراویح ادا کرتے۔ نمازِ تراویح کے بعد میں معمول کا درس کہتا۔ ایک بڑے میاں کو بھی روزانہ ویل چیئر پر نماز پڑھنے اور درس سننے کے لیے لایا جاتا۔ ایک رات بڑے میاں دکھائی نہ دیے۔ میں نے سوچا شاید سردی زیادہ ہے اور بارش بھی وقفے وقفے سے ہوتی ہے، اسی لیے بزرگ نہیں آئے۔ دوسری اور پھر تیسری رات بھی بڑے میاں نظر نہ آئے۔ میں نے ان کے لڑکے سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ انھیں تو بخار ہے اور وہ تین دن سے ہسپتال میں ہیں۔

میں نے اور چند نمازیوں نے بڑے میاں کی عیادت کا پروگرام بنایا۔ اگلے دن عصر کے بعد ہم ہسپتال پہنچ گئے۔ ہمارا منظر دیدنی تھا۔ میں نے ثوب[1] پہن رکھا تھا۔ ایک صاحب لمبی قمیص میں ملبوس تھے۔ ایک نے پتلون چڑھا رکھی تھی۔

ایک نرس صاحبہ ہمیں دیکھ کر گھبرائیں، پوچھنے لگیں: ''آپ سب ان بڑے میاں کے بیٹے ہیں؟''

''ہم نے کہا: ''نہیں تو۔''

''تب آپ کسی فلاحی ادارے کے ارکان ہیں۔ وہ بولیں۔

''قطعی نہیں۔''

''پھر آپ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں؟'' وہ واقعی پریشان ہو رہی تھیں۔

''محترمہ! ہم بڑے میاں کے پڑوسی ہیں اور ان کی عیادت کو آئے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ایں! عیادت کو آئے ہیں۔ آپ سبھی عیادت کو آئے ہیں؟''

انھیں تو جیسے یقین ہی نہ آیا۔

میں نے کہا: ''جی ہاں! ہم سبھی بڑے میاں کی عیادت کو آئے ہیں۔''

''لیکن سفر کا کرایہ آپ کو کس نے دیا؟''

محترمہ کے اس سوال سے مجھے تعجب نہیں ہوا۔ یہاں کا تو دستور ہی یہ ہے کہ بڑے بوڑھے ہسپتالوں میں پڑے سڑتے رہتے ہیں اور انھیں کوئی دیکھنے نہیں آتا۔

یہی نہیں، مرجاتے ہیں تو ہسپتال ہی ان کے کفن دفن کا انتظام کرتا ہے۔ اولاد کو خبر تک نہیں ہوتی۔

ہم نے نرس صاحبہ کو سمجھایا کہ ہم مسلمان ہیں۔ یہ بزرگ ہمارے دینی بھائی ہیں۔ یہ کہہ کر ہم آگے بڑھ گئے۔ نرس حیرت سے دیکھتی رہی۔ ہم بڑے میاں کے کمرے میں آئے۔ وہ واقعی بہت بیمار تھے۔

میں نے (عرب دستور کے مطابق) بڑے میاں کے سر کو بوسہ دیا تو وہ رو پڑے۔ حال دریافت کیا تو بولے: ''الحمدللہ۔ میں روزہ تو نہیں رکھ سکتا لیکن جہاں تک بس چلتا ہے قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کا ذکر کرتا ہوں۔''

میں نے کمرے میں نظر دوڑائی تو دو لمبے تڑنگے یورپی بڈھے بستروں پر دکھائی دیے۔ میں خود تو یورپی زبان نہیں جانتا۔ ایک صاحب کو بھیجا کہ انھیں سلام کہہ کر حال احوال پوچھ آئیں۔ وہ دونوں بھی ہمیں دیکھ کر حیران تھے۔ انھوں نے بھی وہی سوال دہرائے جو نرس نے کیے تھے۔ کون ہو تم؟ کون سا فلاحی ادارہ ہے؟

ہم نے انھیں بتایا کہ ہمارے اور بزرگ کے درمیان محض دین کی قرابت ہے اور وہ ہمیں عیادت کی کوئی اجرت نہیں دیں گے تو وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

دمِ رخصت میں نے بڑے میاں سے پوچھا کہ آپ تینوں بوڑھے آپس میں بات چیت بھی کرتے ہیں کہ نہیں؟

بڑے میاں ہنس کر کہنے لگے: ''یہ دونوں تو بڑے عجیب طریقے سے وقت گزاری کرتے ہیں۔''

میں نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

بولے: ''دونوں دن ڈھلے تک سوتے رہتے ہیں۔ عصر کے بعد بیدار ہوتے ہیں تو بھوک ستانے لگتی ہے۔ نرس کھانا لاتی ہے۔ پیٹ کا دوزخ بھر جاتا ہے تو آپس میں لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں اور ایک دوسرے کو خوب گالیاں دیتے ہیں۔ بڑا غل مچتا ہے۔ تب نرس شراب میں شاید نیند کی دوا ملا لاتی ہے اور دونوں کو ایک ایک جام تھما دیتی ہے۔ دونوں شراب پی کر ایسے بے ہوش پڑتے ہیں کہ اگلے دن عصر کے وقت ہی آنکھ کھلتی ہے۔ بیدار ہونے پر پھر وہی ڈراما شروع ہو جاتا ہے۔''

ثوب: عربوں کا روایتی لمبا کرتا جو ٹخنوں اور بعض اوقات پیروں تک پہنچتا ہے۔

چھوٹا سا دانہ اور بس!

ڈاکٹر ارتج بتاتی ہیں کہ میں اپنے کلینک میں بیٹھی تھی کہ ایک خاتون بیٹی اور شوہر کے ہمراہ کلینک میں داخل ہوئیں۔ خاتون کی عمر کوئی چالیس کے لگ بھگ تو ہوگی۔ بدن گدرایا ہوا۔آدھے چہرے پر نقاب تھا۔معلوم ہوتا تھا کہ اپنا خیال ضرورت سے کچھ زیادہ ہی رکھتی ہیں۔کرسی پر براجمان ہوئیں اور بات کا آغاز کیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! مجھے بڑے عرصے سے ایک پرابلم ہے۔آپ کا مشورہ چاہتی ہوں۔''

میں جواب میں مسکرادی۔''جی فرمایئے۔کیا پرابلم ہے۔''

اب جو انھوں نے تفصیل بیان کرنی شروع کی تو بولتی ہی چلی گئیں۔

''کئی سال ہوگئے۔ چہرے پر دانے ہی دانے ہیں۔کئی ڈاکٹروں کو دکھایا۔آج کل جو دوا استعمال کرتی ہوں، بڑی ہائی پوٹینسی کی ہے۔جگر کو متاثر کرتی ہے۔''

میں نے پوچھا:''لیکن یہ دانے ہیں کہاں؟''

خاتون نے مجھے دانے تو نہ دکھائے، البتہ دانوں کی وجہ سے مالی اور نفسیاتی مشکلات کا دکھڑا سناتی رہیں۔

میں نے اپنا سوال دہرایا:''لیکن دانے تو دکھایئے۔''

خاتون نے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ میں نے بغور دیکھا لیکن دانے ہوتے تو دکھائی بھی دیتے۔

”معاف کیجیے گا۔ وہ دانے کہاں ہیں جن کی آپ بات کر رہی تھیں؟“

گال کے نچلی طرف معمولی سے دانے پر ہاتھ رکھ کر بولیں:

”یہ دیکھیے ڈاکٹر صاحب! یہ ہے وہ دانہ۔“

میں نے دوبارہ غور سے دیکھا۔ دانہ اتنا چھوٹا تھا کہ ٹھیک سے دکھائی نہ دیا۔

”تو کیا یہ نہایت معمولی سا دانہ آپ کو پریشان کیے ہوئے ہے؟“

کہنے لگیں: ”جی ہاں ڈاکٹر صاحب! اسی دانے نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔“
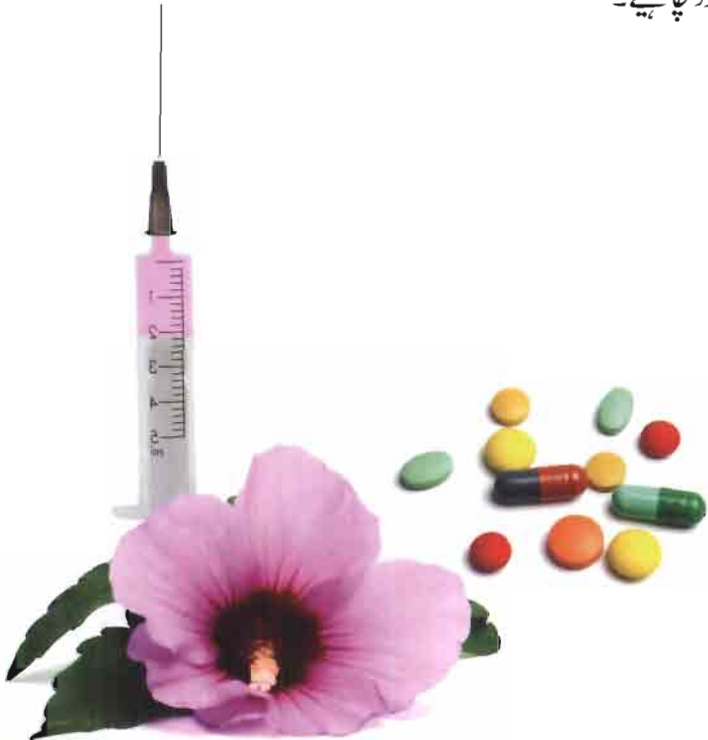
”لیکن آپ کا چہرہ تو اچھا خاصا دکھائی دیتا ہے۔“ میں نے خاتون کو مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کی۔

”اوہ! نہیں ڈاکٹر صاحبہ! نہیں۔ یہ اچھی خاصی حالت کہاں ہے۔ میں نہیں مانتی۔“ انھوں نے میری بات کاٹ کر کہا۔

میں غصے پر قابو پائے خاتون کی باتیں سنتی رہی۔ لوگ تو لاعلاج بیماریاں لیے آتے ہیں اور یہ ہیں کہ ایک دانے پر مری جارہی ہیں۔

میں نے تھک کر کہا: ”خاتون! میرے خیال میں تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہورہی ہیں۔ جو دوا آپ استعمال کر رہی ہیں، اس کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ دانہ بہت معمولی ہے۔ اسے اتنی اہمیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ زندگی کے روشن پہلوؤں پر نظر رکھیے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونا چھوڑیے۔“

خاتون تھوڑی دیر تو خاموش رہیں، پھر گویا ہوئیں:

”ڈاکٹر صاحبہ! پھر بھی میں پورا علاج کرانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ دانہ مٹ جائے۔“

میں نے اکتا کر کہا: ”اچھا یہ بات ہے تو آپ پوری دوا لیجیے۔ مکمل علاج کرائیے۔ جب بھی دوا بند کرنی چاہیں، کلینک کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔“

میں چاہتی تھی کہ ان کے شوہر نامدار بھی میری تائید میں بیوی صاحبہ سے پیار بھرے لہجے میں کوئی بات کہہ دیتے۔ یوں میرا کام آسان ہوجاتا اور غالبًا خاتون مان جاتیں۔ لیکن میاں صاحب تو شاید چپ کا روزہ رکھ کے آئے تھے۔ ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ ہائے! بیچارے شوہر!“

مطلب یہ کہ آدمی کو اپنا خیال ضرور رکھنا چاہیے لیکن معمولی معمولی باتوں پر خواہ مخواہ پریشان بھی نہیں ہونا چاہیے۔

غم اور خوشی، بیماری اور صحت و تندرستی، بدحالی، تنگدستی اور آسودہ حالی، یہ سب تو زندگی کا حصہ ہے۔ زندگی ایک امتحان ہے اور اسے امتحان ہی کے اصول پر گزارنا چاہیے۔

آخر میں مریض، طبیب اور رفیق سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مرض اور مریض کے متعلق یہ چند باتیں جلدی میں لکھ دی ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ انھیں نفع بخش بنائے۔ آمین۔

عیادتِ مریض کے مسنون آداب

عیادتِ مریض کی فضیلت

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو متعدد حقوق ہیں، ان میں سے ایک بیماری کے موقع پر اس کی عیادت کرنا ہے۔ احادیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو مسلمان دوسرے مسلمان کی دن کے اوّل حصے میں (دوپہر سے پہلے) عیادت کرتا ہے، ستر ہزار فرشتے اس کے لیے شام تک رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ نیز اس کے لیے بہشت میں ایک باغ ہے۔'' (سنن أبو داود: 3098)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی تیمارداری کے لیے جاتا ہے تو وہ واپس لوٹنے تک جنت کے میوے چنتا رہتا ہے۔ (صحیح مسلم: 2568)

مسنون آداب اور دعائیں

- مریض کی عیادت کرتے ہوئے، اسے ان الفاظ میں تسلی دیں:

لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ

''کوئی حرج نہیں (غم نہ کر) اگر اللہ نے چاہا تو یہی بیماری تجھے گناہوں سے پاک کرنے والی ہے۔'' (صحیح البخاری: 5656)

- آخری تین سورتیں (سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) اور یہ دعا پڑھ کر مریض کو دم کریں:

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ

''اللہ کا نام لے کر میں آپ پر دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دے، ہر نفس اور حاسد کی آنکھ کے شر سے، اللہ آپ کو شفا دے۔ میں اللہ کا نام لے کر آپ پر دم کرتا ہوں۔(صحیح البخاری: 5016، و صحیح مسلم: 2186)۔

مریض کے جسم پر دایاں ہاتھ پھیریں اور یہ دعا پڑھیں:

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآؤُكَ شِفَآءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا

''اے انسانوں کے رب! بیماری کو دور کر دے اور شفا عطا فرما۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفا دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔'' (صحیح البخاری: 5750 ،و صحیح مسلم:2191)

☆ مریض کے سر کے پاس بیٹھ کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھیں۔

اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ

''میں بزرگ و برتر اللہ، عرشِ عظیم کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفا سے نوازے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی تیمارداری کے لیے جاتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر مذکورہ بالا کلمات سات مرتبہ پڑھتا ہے تو وہ شفا یاب ہو جاتا ہے، سوائے اس کے کہ اس کی موت کا وقت آچکا ہو''۔(سنن أبو داود:3106)

❁ مریض کی عیادت کے موقع پر یہ الفاظ بھی پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا اَوْ يَمْشِيْ لَكَ اِلٰى جَنَازَةٍ

''اے اللہ! اپنے بندے کو شفا عطا فرما۔ یہ تیری راہ میں کسی دشمن کو زخمی کرے گا یا تیری رضا کے لیے کسی جنازے میں شریک ہوگا۔ (أبو داود:3107)

❁ مریض کی عیادت دوران میں صرف خیرو بھلائی کی بات کریں، کیونکہ فرشتے عیادت کرنے والے کی بات پر آمین کہتے ہیں۔ (صحیح مسلم:919)

❁ کافر کی عیادت بھی کی جا سکتی ہے۔ کافر کی عیادت کرتے ہوئے اسے اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ اسلام قبول کرلے تو یہ دعا پڑھیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے دوزخ سے نجات دی۔'' (صحیح البخاری:1356)

❁ مرد کی طرح عورت بھی مریض کی عیادت کرسکتی ہے، یہاں تک کہ (شرعی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے) غیر محرم کی عیادت بھی کرسکتی ہے۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر اور بلال رضی اللہ عنہما کی عیادت کی تھی۔ (صحیح البخاری:3936)

❁ مریض کو چاہیے کہ دوران بیماری اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر صبر و شکر کرتا رہے۔ ایسا کرنے سے اسے یہ انعام ملے گا کہ جب وہ تندرست ہو کر بستر سے اٹھے گا تو گناہوں سے ایسے پاک ہوگا جیسے آج اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔ (مسند أحمد:4/123)

ہسپتال میں .... طبیب اور مریض کے ساتھ

مہذب زندگی کا سلیقہ صرف کتاب وسنت ہی کی تعلیماتِ عظیمہ سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ کتاب ان جلیل القدر خواتین کی زندگی کے مختلف حالات و واقعات سے آگہی عطا کرتی ہے جنھوں نے ہر آشوب اور آزمائش کا مقابلہ کر کے صرف اللہ کی رضا ہی کو اپنا مقصد زندگی بنائے رکھا اور بڑی سے بڑی قربانی دے کر ایک مخلص اور مثالی مومنہ ہونے کا عملی نمونہ پیش کیا۔

پیرایۂ بیان نہایت سادہ اور شگفتہ ہے۔

امید ہے کہ یہ دلآویز کتاب مسلمان خواتین کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔